سلسلۂ مطبوعات معارف اسلامیہ ٹرسٹ ۶ ک

وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْم

اور اللہ بڑے فضل والا ہے

قل ان الفضل بید اللہ یوتیہ من یشاء
کہو فضل حق کے ہے ہاتھ میں جسے چاہے اسکو عطا کرے

اِنَّ فَضْلُ اللہ علیک کبیرا
جو خدا کا فضل ہے آپ پہ وہ بہت بڑا ہے عظیم ہے

فضائلِ مُصطفیٰ

چکیدۂ قلم سحر نگار

خلیفہ و جگر گوشہ حضرت غوث الثقلین نقیب الاشراف سید ابراہیم سیف الدین گیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

مولانا ابوالفضل سید محمود قادری متوطن بج بج

"بانی انجمن معین الملت" و "معارف اسلامیہ ٹرسٹ"

(باھتمام)

سید نصیر الدین بسمل ابوالعلائی

معتمد عمومی

انجمن معین الملت و معارف اسلامیہ ٹرسٹ

تفصیلات

تعداد اشاعت — ایک ہزار

سن طباعت — ۱۹۸۵ء

نام کاتب — حبیب ہادی رفاعی

نام مطبع — اعجاز پرنٹنگ پریس

ہدیہ — ۱۲ بارہ روپیہ

ملنے کا پتہ

۱- دفتر انجمن معین الملت - اندرون کمان شمس الامراء دیوڑھی اقبال الدولہ حیدرآباد 500265

۲- دیوڑھی حضرت مولوی سید محمود اندرون کمان محمد شکور حیدرآباد 500265

۳- مکتبہ انوار مصطفیٰ — شاہ علی بنڈہ روڈ

۴- الیاس ٹریڈرس — " "

۵- اسٹوڈنٹس بکڈپو — چارمینار

۶- مکتبہ حسامی — چارکمان

۷- مینار بکڈپو — چارمینار

۸- حیدر اینڈ سنس — چارکمان

۹- کمرشیل بکڈپو — چارمینار

۱۰- حبیب اینڈ کو — گن فاؤنڈری نامپلی

۱۱- الکتاب ملت... — ... روڈ

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی

ماہ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ میں دوسری بار حرمین شریفین کی سعادت حاصل ہوئی۔ ویزہ کی مدت ختم ہو گئی تو تا توسیع معیاد جدہ میں قیام کرنا پڑا۔ خیال ہوا کہ اس درمیانی وقفہ میں "فضائل مصطفیٰ" کے موضوع پر مضمون لکھوں، لکھنے بیٹھا تو راہوارِ قلم نے چھلانگیں لگانی شروع کیں گلستانِ طیبہ کی نسیمِ سحری مہمیز بن گئی۔ سمندِ شوق سرپٹ دوڑنے لگا۔ ایک منزل کے بعد دوسری منزل، دوسری کے بعد تیسری منزل اس طرح منزل بہ منزل راستہ طے کرتا گیا۔ میں نے بھی اسکو آزاد چھوڑ دیا کہ ؎ دیکھئے یہ راہوار رکے کس مقام پر۔

نے رخش ہاتھ میں ہے نہ پا ہے رکاب میں

ایک عنوان ختم ہوا تو دماغ نے دوسرا عنوان تجویز کر دیا۔ عنوان کے بعد عنوان ذہن میں آتے گئے، عالمِ کیف و سرور میں یہ دعا دل و زبان سے نکل رہی تھی کہ ؎

ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلے ٭ اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

اس حال میں پچپن منزلیں طے ہو گئیں لیکن اسکے باوجود یہ محسوس ہو رہا تھا کہ فضائل مصطفیٰ کے وسیع میدان کا ایک گوشہ بھی طے نہیں ہوا۔ بڑے بڑے شہسوار یہ طویل و عریض فاصلہ طے نہ کر سکے تمام عمر دشت نوردی کے بعد یہ کہدیا کہ ؎

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ٭ ماہمچناں دراوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

یعنے ؎ مدحتِ مصطفیٰ میں گذری عمر ٭ مدح کا حق مگر ادا نہ ہوا

مختصر یہ کہ ؎

داماں نظر تنگ و فراوانیٔ جلوہ ٭ گلچینِ تو از تنگیٔ داماں گلہ دارد

بعد میں ہم خیال ہوا کہ جرعہ کشانِ بادۂ عشق کی فہرست میں کسی طرح میرا نام بھی شامل ہو جائے تا کہ یہ کہہ سکوں ؎

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم ٭ جنیدؒ و شبلیؒ و عطارؒ ہم مست

خدا کا شکر ہے کہ اس بے خودی و مستی کے عالم میں بھی نہ سہو ہوا نہ لغزش ہوئی نہ قلم بہکا۔ بقول حضرت کاملؔ ؎

کچھ ایسی صفت کا ہے میخانہ محمدؐ کا ٭ لغزش میں نہیں لاتا پیمانہ محمدؐ کا

اب یہ رُوداد سفر مقالہ کی شکل میں پیش کیجا رہا ہے امید ہے کہ اس سے ہر پڑھنے والے کے دل کو تازگی اور اسکی روح میں بالیدگی پیدا ہوگی۔

یہ دولت عظمیٰ بھی قسمت ہی سے ملتی ہے
اللہ کرے سب کو دیوانہ محمدؐ کا

پروانۂ شمع محمدیؐ
ابو الفضل سید محمود قادری

۸۶

اسم محمد کی جامعیت

زباں پہ میرے خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

حضور پر نور فیض گنجور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی "مُحَمَّد" ہے جس کے معنی ہیں سراہا ہوا۔ تعریف کیا ہوا۔ حمد کیا ہوا۔ جس نے اپنی زبان سے "مُحَمَّد" کہا اس نے آپ کی شعوری یا غیر شعوری طور پر تعریف کر دی۔ مشرکین کو بھی اسکے سوا چارہ نہیں کہ بلا سوچے سمجھے ہی سہی زبان سے آپ کا نام لیں تو آپ کی مدح سرائی کریں پھر دیکھو جب زباں سے یہ نام لیا نیچے کا ہونٹ اوپر کے ہونٹ سے مل کر بتا یا کہ خلق کو خلق سے واصل کرنے کے لئے آئے ہیں۔

اُدھر اللہ سے واصل، ادھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدّد کا

قرآن مجید میں حضور کو نام پاک سے کہیں یاد نہیں گیا یا ایہا النبی، یا ایہا المزمل، یا ایہا المدثر جیسے اوصاف سے خطاب کیا گیا وما احسن ما قال ؎

با آدم ست بپدر انبیاء خطاب ۔ یا ایّھا النّبیُّ خطاب محمد ست

لیکن چار جگہ آپ کا نام لیا گیا سورۂ احزاب کے پانچویں رکوع میں ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ سورۂ فتح میں محمد رسول اللہ۔ سورہ محمد میں بما نزل علی محمد اور چوتھے مقام پر

وما محمدٌ الّا رسول ﷺ اس طرح پورے قرآن میں چار جگہ پر حضور کا اسم ذات سے یاد کیا گیا۔ اس میں کئی مصلحتیں ہیں، لفظ محمّد میں چار حرف ہیں اسی مناسبت سے چار جگہ نام لیا گیا۔ پھر چار کے عدد میں بھی خصوصیت ہے۔ جلیل القدر پیغمبر چار ہیں۔ حضرت آدمؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، اسی طرح عظیم القدر فرشتے بھی چار ہیں۔ جبرئیلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ، عزرائیلؑ بڑے ادیان بھی چار ہیں۔ دین ابراہیمی، دین موسوی، دین عیسوی، دین محمدی خلفائے راشدین بھی چار ہیں حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علی رضوان اللہ علیہم اجمعین عناصر بھی چار ہیں آب، آتش، خاک۔ باد پھر دیکھو اللہ میں چار حرف ہیں اور حضور کے اسم ذات میں چار حرف ہیں جس سے کمال مناسبت کا اظہار ہوتا ہے اور آگے بڑھو اور غور کرو محمد کے اعداد (۹۲) ہیں۔ اکائی میں دو کا عدد ہے جو دو اکائیوں کا مجموعہ ہے اس سے ذات الٰہی اور ذات محمدی کا اتصال ظاہر ہو رہا ہے۔ حضورؐ کا یوم ولادت بھی یوم الاثنین یعنی دوشنبہ کا دن ہے۔ اس طرح اکائی میں دو کا ہندسہ یوم ولادت کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔ دہائی میں نو کا ہندسہ ہے جو تمام ہندسوں میں کامل ہندسہ ہے۔ نو کے پہاڑے میں گنتے جاؤ نو کا ہندسہ ہی رہے گا مثلاً ۹۔ ۱۸۔ ۲۷۔ ۳۶۔ ۴۵۔ ۵۴۔ ۶۳۔ ۷۲۔ ۸۱۔ ۹۰ ان کے مکتوبی اعداد کو ملاؤ تو نو ہی رہ جائے گا۔

ایک سے لیکر ۹ تک دہائیوں کے جب کنارے کی اکائیاں ملا دوگے تو نو ہی بنے گا جیسے کہ (۱) اور ۸ - ۲ اور ۷ - ۳ اور ۶ - ۴ اور ۵ الحاصل (۹) کو فنا نہیں تو جو حضور کی ذات میں فنا ہوا اس کو بھی فنا نہیں۔

حضرت حافظ شیرازی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

ہرکس نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

اور ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں ؎ کسریٰ کو ہے فنا حلیمیؔ کو دوام ہے

یہ گذر چکا ہے کہ تمام ہندسوں میں تو کا ہندسہ کامل ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضور بھی کامل ہیں اور آپ کا دین بھی کامل ہے۔ یہ بھی دیکھو کہ اسم گرامی کے حروف کے اعداد بسطی لئے جائیں تو ان کے اعداد (۳۱۳) ہونگے۔ بسط سے مراد یہ ہے کہ ہر حرف کو جداگانہ لکھا جائے م ی م۔ دوسرا میم مشدد ہے اسلئے اسکے دو میم لئے جائیں گے تینوں میموں کو ملایا تو دوسو ستر ہوئے دال کے (۳۵) اور ح کے بلا تکبیر آٹھ سب کو جمع کر لیا تو ۳۱۳ ہوئے جو مطابق اعداد مرسلین ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور خلاصہ جمیع مرسلین ہیں یعنے ؎ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری کے مصداق ہیں۔ اصحاب بدر کی تعداد بھی ۳۱۳ تھی نام کے حروف بسطی کے اعداد نے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ آپ کے جانثاروں کی تعداد جنگ بدر میں ۳۱۳ ہو گی۔ حرف میم کے چالیس اعداد ہوتے ہیں جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ پر چالیس سال کی عمر میں وحی نازل ہو گی۔

اس موقعہ پر کلمہ طیبہ کے اسرار کی صراحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں کوئی حرف منقوط نہیں ہے یعنی کسی پر نقطہ نہیں ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ ذات الٰہی اور ذات محمدی دونوں ذوات عیوب اور نقائص سے مبّرا ہیں ان پر کوئی دھبہ لگایا نہیں جا سکتا۔ پھر دیکھو لا الٰہ الا اللہ کے بارہ حروف ہیں تو محمد رسول اللہ کے بھی بارہ حروف ہیں اس طرح ابوبکر الصدیق، عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان اور علی ابن ابی طالب

کے بھی بارہ بارہ حروف ہیں معلوم ہوا کہ ان سب میں کمال مناسبت ہے۔

یہ بھی دیکھیے کہ اس کلمہ کا نام تو ہے کلمہ طیبہ اور کلمہ توحید مگر اس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ حضور پرنور کا بھی ذکر ہے یعنی جزو اول میں توحید اور جزو دوم میں توحید سکھانے والے کا اسم مبارک معلوم ہوا کہ رسالت کے بغیر صحیح توحید حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی غور کرو کہ بظاہر حضور کا اس کلمہ میں اسم گرامی لا الٰہ الا اللہ کے بعد ہے مگر حضور پر ایمان لانا شرط مقدم ہے۔ آپ کو جانے بغیر اللہ کا ماننا بے سود کہ اللہ کی پہچان حضور نے دلائی جب محمد ہوئے رسول اللہ تب کہا لا الٰہ الا اللہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ قل ھو اللہ احد اے محبوب آپ کہیے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ الصمد اللہ بے نیاز ہے لم یلد ولم یولد نہ وہ جنا نہ جنایا گیا نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا ولم یکن لہ کفواً احد اس کا کوئی شریک ہمسر و ثانی نہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کا اعلان کرنے کے لئے اپنے رسول کو حکم دیا کہ لا الٰہ الا اللہ آپ کہنا اور محمد رسول اللہ میں کہوں گا۔ آپ میرے گن گائیے۔ میں آپ کی صفات بیان کروں گا۔ آپ کے ذکر کو اونچا کروں گا۔

گلستان میں حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ "ہر نفسے کہ فرو می رود ممد حیات است وچوں برمی آید مفرح ذات پس بہ ہر نفسے شکرے واجب است۔"

یعنے جو سانس اندر جاتی ہے وہ زندگی کی مدد معاون اور جو سانس باہر نکلتی ہے وہ مفرح ذات ہوتی ہے پس سانس کی ہر آمد و شد پر شکر واجب ہے۔

ذات احدیت کے لئے واشکروا للہ کا اور ذات واحدیت کے لئے قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا کا حکم ہوا ہے۔ یعنے اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اور

اسکے فضل و رحمت پر خوشی مناؤ۔ حضرت سعدی نے دوسری سانس کو مفرح ذات بتایا تھا اسلئے کہ حق تعالیٰ نے لفظ خلیفہ جو استعمال فرمایا اور تاکید کی کہ اللہ کے رحمت یعنی اپنے محبوب کی ولادت باسعادت اور بعثت پر خوشی مسرت و فرحت کا اظہار کرو جس طرح باہر آنے والی سانس سے جسم کے اندر کی کثافت کاربن ڈائی آکسائیڈ گیاس کی شکل میں باہر نکل جاتی ہے۔ بلا تشبیہ حضور نے تزکیہ نفس کے ذریعہ انسانوں کے قلوب کو تمام خبائث اور کثافتوں سے پاک وصاف قرار دیا آپ کی بعثت کا مقصد تزکیہ نفس اور تعلیم کتاب و حکمت بتایا گیا جیسا کہ آیت :

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلو علیهم ایاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة سے واضح ہے۔ سورہ اعراف میں ارشاد ہوا الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التوراة والانجیل یامرهم بالمعروف وینهٰهم عن المنکر ویحل لهم الطیبات ویحرم علیهم الخبائث ویضع عنهم اصرهم والاغلال التی کانت علیهم فالذین آمنوا وعزروه ونصروه واتبعوا النور الذی انزل معه اولئك هم المفلحون۔

یعنی جو لوگ اس نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جن کا ذکر ان کے پاس توریت اور انجیل میں مرقوم ہے جو ان کو نیک اور جائز کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور برے کاموں سے منع کرتا ہے۔ نیک چیزوں کو ان کے لئے حلال اور ناپاک اور گندی چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور ان پر جو ضلالت اور گمراہیوں کے بوجھ کو جن کے نیچے وہ دبے جا رہے تھے دور کرتا ہے تو وہ لوگ جو اس رسول پر ایمان لائے انکی تعظیم و توقیر کی اور اس نور کی پیروی کی جو اسکے ساتھ نازل ہوا تھا تو وہی نجات پانے والے ہیں۔

اب یہ بات سمجھ میں آگئی کہ جس طرح انسان کی زندگی کے لئے دو سانسیں لازم ہیں اور ایک سانس جسم کے اندر جائے اور دوسری سانس باہر نہ نکلے یا دوسری سانس باہر نکلے لیکن اندر جانے والی سانس جسم کے اندر جانے سے رک جائے تو اسکا نتیجہ موت ہے اس طرح توحید کا اقرار اور رسالت کے انکار یا رسالت کے اقرار اور توحید کے انکار سے ایمانی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا کہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں دیکھو لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا اس طرح اتصال ہے کہ لفظ اللہ اور لفظ رسول اللہ کے درمیان واؤ حرف علت بھی حائل نہیں۔

حضور زمین پر محمّد ہیں تو فلک پر محمود " مدّاح رسول عربی حسّان بن ثابت نے کیا خوب فرمایا۔

وشق لہ من اسمہ لیجلہ ❊ فذو العرش محمود وھذا محمد

عرش والا "محمود" زمین کو زینت بخشنے والا محمّد دونوں قابل حمد و ستائش، حضرت امجد خود سے مخاطب ہو کر لکھتے ہیں ؎

کس سوچ میں ہیں جناب امجد کہیئے الحمد میں کیوں ہے فکر بیجد کیجئے
گر حمد خدا کا حق ادا کرنا ہے دل سے یکبار یا محمّد کہیئے

حضور محمد بھی ہیں احمد بھی محمود بھی ہیں حامد بھی اللہ عزوجل کے مدّاح بھی ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے کعب احبار سے پوچھا کہ توریت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کیا پیشین گوئی ہے۔ کعب نے مجملہ اور تفصیلات کے بیان کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی زبان سے زیادہ حمد کرنے والے ہوں گے آپکی امت بھی دیگر امتوں سے زیادہ حمد کرنیوالی ہوگی اسلئے کتب سماوی میں آپکی امت کے افراد کو "حمادون" کے لقب سے یاد کیا گیا ہے جسکے معنی ہیں بہت حمد کرنے والا۔

پھر دیکھو قیامت میں آپ مقام محمود میں رہیں گے جو عرش کی سیدھی جانب ہوگا۔ ہم روز پانچ بار اذان سننے کے بعد دعا کرتے ہیں۔ اللّٰھم ابعثہ مقاماً محمودا الذی وعدتہ یوم القیامۃ پھر اس روز آپ کے دست مبارک میں "لواء الحمد" رہے گا جسکے زیر سایہ اس دن جب کہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا' اولوالعزم جلیل القدر انبیاء و رسل رہیں گے۔ حضور نے خود ارشاد فرمایا آدم و مَن دونہ الانبیاء تحت لوائی آدم اور اس کے سوا سب انبیاء و رسل میرے جھنڈے کے تلے رہیں گے۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے کیا خوب کہا ہے۔

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

شاہکار قدرت

قوسین چوں نہ گویم ابروئے مصطفےٰ را ... مازاغ گفت ایزد آں چشم حق نما را

(آصف جاہ سابع)

آقائے نامدار، تاجدار مدینہ، شاہکار قدرت، مظہر حسن لم یزال، مرأۃ جمال ذوالجلال میں زسر اطلاع قدمت ہر کجا کہ می نگرم + کرشمہ دامن دل کشد کہ جا اینجاست ۔ چہ حسین چہ مہ جبینی چہ جمیل و دلربائی + ہمہ مہ وشان عالم بہ جمال تو فدائی

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر زنان مصر میرے یوسف کا حسن و جمال دیکھتیں تو بجائے اپنے ہاتھوں کے اپنے دلوں کو کاٹ لیتیں ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کبھی روئے مبارک کو دیکھتے، کبھی چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے اور فرماتے میرے حبیب کا حسن و جمال بدر کامل سے زیادہ روشن ہے ۔ مداح دربار رسول حضرت حسان بن ثابت رض نے حضور کے حسن و جمال کا نقشہ ان اشعار میں کھینچا ۔

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي ... وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ ... كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

حضور! آپ کے حسن و جمال سے بہتر میری نظروں نے کوئی حسن و جمال نہ دیکھا اور آپ سے زیادہ جمیل و شکیل کو کسی عورت نے جنم نہیں دیا آپ ہر عیب و نقص سے اس طرح پاک و صاف پیدا ہوئے گویا آپ جس طرح پیدا ہونا چاہتے تھے اسی طرح پیدا ہوئے۔ مختصر یہ کہ ؎

رخ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کے خواب و خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

خالق کائنات نے آپ کے ایک ایک عضو کا قرآن مجید میں ذکر فرمایا اور ایسا مرقع

کھیچا کہ زبان سے بے ساختہ فتبارک اللہ احسن الخالقین نکل جاتا ہے۔
وجود حضور پر نور والفجر۔ کہ فجر سے طلوع نور ہے (مدارج النبوۃ) النجم
الثاقب چمکدار روشن ستارہ دنیا کو جگمگا دیتا ہے (مواہب لدنیہ) سراجاً منیرا
سراج منیر سے ظلمت کفر دور ہو گئی۔ رخ پر نور والشمس۔ زلف مشکیں واللیل
والشمس رُخ و زلف جو واللیل خدا گفت ؎ باقی چہ شناہست کہ لولاک لمائی
رخسار مبارک والقمر اذا تلٰھا۔ تابانی جلوہ والنھار اذا تجلّٰی
روئے مبارک قد نریٰ تقلب وجھك فی السماء کہ آپ کا روئے مبارک
انتظار حکم تحویل قبلہ میں آسمان کی جانب اور خالق سماوات کی نظر آپکے روئے مبارک
کی طرف۔ گیسوئے تابدار واللیل اذا یغشٰی۔ ابروئے خمدار قاب قوسین
او ادنیٰ۔ دندان مبارک یٰسٓ ؎
سین یٰسین تو از دندان نشانی می دہد ؎ سورۂ حمٓ باشد حلقہ گیسوئے تو
چشم مبارک مازاغ البصر وما طغٰی۔ نگاہ فکشفنا عنك غطاءك
فبصرك الیوم حدید۔ سینہ مبارک کی فراخی الم نشرح لك صدرك۔
قلب مبارک ماکذب الفواد ما راٰی۔ اپنے ہاتھ پر بیعت لی تو ان الذین
یبایعونك انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم دست مبارک
ید اللہ ہو گیا۔ انگشت مبارک کے اشارے سے چاند شق ہوا تو اقتربت الساعۃ
وانشق القمر۔ زبان مبارک کو نزول وحی کے وقت تیز تیز حرکت دی تو
لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علینا جمعه و قرآنه
پشت مبارک بار ہدایت و تبلیغ سے جھکی تو ووضعنا عنك وزرك الذی
انقض ظھرك۔ گویائی وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحٰی

اخلاق انك لعلٰى خلق عظيم ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے جب حضورؐ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمائیں کان خلقہ القرآن یعنے آپ قرآن مجسم تھے ۔ حضورؐ نے خود اپنی بعثت کی وجہ بتائی کہ بُعِثْتُ لاتمم مکارم الاخلاق ۔ رفعت ذکر ورفعنا لك ذكرك ۔ علم غیر محدود وعلّمك مالم تكن تعلم ۔ علم غیب وماهو للغيب بضنين ۔ ایمان والوں کے ساتھ بالمؤمنين رؤف رحيم ۔ دونوں جہاں کے لئے وما ارسلناك الا رحمة للعالمين ۔ پھر ایک ہی آیت میں حضورؐ کے سات اوصاف کا بیان ۔ يا ايها النبیؐ انا ارسلناك شاهداً ومبشراً ونذيراً وداعيا الى الله باذنه وسراجاً منيرا یعنے نبی ۔ رسول ۔ شاہد ۔ مبشر ۔ نذیر ۔ داعی الی اللہ ۔ سراج منیر ۔ شہر مکہ میں سکونت تو اسی شہر کی قسم لا اقسم بهذا البلد وانت حلّ بهذا البلد ۔ دوسری جگہ والتين والزيتون وطور سينين وهذا البلد الامين ۔ کملی اوڑھ لی تو يا ايها المزمّل چادر تان لی تو يا ايها المدثر ۔ پھر اپنے حبیب کی جان کی قسم لعمرك انهم فى سكرتهم يعمهون ۔ غالبؔ نے اسکی کیا خوب وجہ بتائی کہ ؎

ہر کس قسم بانچہ عزیزست می خورد ٭ سوگند کردگار بجان محمدؐ ست

فداك قلوبنا وارواحنا يا خير خلق الله

ذات نبوی کی حقیقت

محمد سر وحدت ہیں کوئی رمز اسکا کیا جانے
شریعت میں تو بندے ہیں حقیقت میں خدا جانے

حضرت جامی نے اپنی تمام عمر مدحت رسول میں گذاری لیکن بالآخر کہدیا کہ

یا صاحب الجمال و یا سید البشر   من وجهك المنير لقد نور القمر
لا يمكن الثناء كما كان حقه   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مدح و ثنا کا جب حق ادا نہ ہوسکے تو اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا تھا لیکن آخری مصرع میں سب کچھ نہ کہکر بھی انہوں نے جامع انداز میں سب کچھ کہدیا ہے۔ اس اختصار میں ایسی تفصیل ہے گویا کوزے میں سمندر بھر دیا گیا ہے اسکی جسقدر تعریف کی جائے کم ہے۔

امام بوصیری نے بھی تو یہ کہا تھا کہ۔

دَعْ ما ادَّعتهُ النصارىٰ في نبيّهم
واحكم بما شئت مدحا فيه واحتكم

جس طرح نصاریٰ نے اپنے انبیاء کے بارے میں ادعا کیا جیسے حضرت عزیرؑ کو ابن اللہ کہدیا حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہدیا تم اس طرح نبی اکرم سے الوہیت منسوب نہ کرو اسکے سوا تم جس قدر چاہو ان کے اوصاف بیان کرو اور سنو۔

وانسُبْ الىٰ ذاته ما شئتَ من شرفٍ
وانسُبْ الىٰ قدره ما شئت من عظمٍ

اور آپ کی ذات والاصفات کی جانب جسقدر شرف و عظمت منسوب کرسکتے ہو کرو۔

فان فضل رسول الله ليس له   حد فيعرب عنه ناطقٌ

اسلئے کہ رسول اللہ کے فضل کی کوئی حد نہیں جو کہنے والا اپنی زبان سے بیان کر سکے

مُنَزَّہٌ عن شریک فی محاسنہ
فجوھرا لحسن فیہ غیرُ منقسم

حضورؐ اپنے محاسن اور خوبیوں میں کسی شریک سے منزہ ہیں اسلئے کہ آپ کے حُسن وخوبی کا جوہر ناقابل تقسیم ہے۔

وکیف یُدرکُ فی الدنیا حقیقتہ
قومٌ نیام تسلوا عنہ بالحلم

اور پھر اس دنیائے آب وگل میں آپ کی حقیقت کا ادراک وہ قوم جو غافل ہو اور خواب وخیال کے عالم میں مگن ہو کس طرح کر سکتی ہے۔ لہٰذا بس تم یہی کر سکتے ہو کہ صفت الوہیت سے آپکو منسوب کرنے کے سوا باقی تمام خوبیاں آپسے وابستہ اور انکا اظہار کرو۔

قل ماشئتَ فیہ فانت مصدّقٌ
فعمرکَ تقتضے والمحاسنُ تشھدُ

تم جو بھی آپ کے بارے میں بیان کروگے وہ سچ ہوگا اور آپ کے محاسن اس بیان کی تصدیق کریں گے۔

تم سارے محاسن اور خوبیاں شمار نہیں کر سکتے تو ان تمام محاسن اور خوبیوں کی جامع ذات کی مدحت کا حق کسطرح ادا کرسکوگے۔ اسلئے غالب نے یہ کہکر اظہار عجز کیا تھا کہ۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم ؛ کاں ذات پاک مرتبہ داں محمد است

میرے والد ماجد مرحوم ومغفور نے بھی یہ مضمون اس طرح ادا فرمایا تھا کہ

محمد سے صفت پوچھو خدا کی ؛ خدا سے پوچھئے شان محمد

جب اس ذات پاک کی مدحت کا بندوں سے حق ادا نہیں ہو سکتا تو یہی طریقہ

مولانا رومؔ نے مثنوی شریف میں اس طرح حقیقت محمدی بیان کی ہے

مصطفےٰ راحق یداں وحق ببیں ✤ مصطفےٰ یدُ نور رب العالمین

از ہمہ اوہام وتصویرات دُور ✤ نورد نورد نورد نورد نور نور

در بشر روپوشش آمد آفتاب ✤ فہم کن واللہ اعلم بالصواب

دیکھو آفتاب کی روشنی سے سارا عالم منور ہو جاتا ہے کوئی گوشہ ایسا نہیں رہتا جس پر اسکی روشنی نہ پڑے۔ شہر، صحرا، بیاباں، دریا، پہاڑ غرض کوئی مقام اسکی روشنی سے محروم نہیں رہتا سب اسکے فیضان نور سے مستفید ہوتے ہیں۔ اسی طرح آفتاب رسالت کی ضیاء پاشی ساری کائنات کے لئے ہے۔ ذات نبوی کو قرآن میں سراجًا منیرًا کہا گیا۔ یعنے روشن چراغ۔ حضور انور کو روشن چراغ سے تشبیہ دینے میں یہ مصلحت معلوم ہوتی ہے کہ چراغ نہ صرف بذات خود روشن ہوتا ہے بلکہ اس چراغ سے دوسرے چراغ روشن ہوتے ہیں۔ چراغ سے چراغ روشن ہونے کا یہ سلسلہ غیر منقطع ہوتا ہے۔ اندھیرے روشنی میں مبدّل ہوتے رہتے ہیں۔ دوسری جگہ لقد جاء کم من اللہ نور وکتاب مبین ارشاد ہوا "یعنے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور کھلی کتاب آئی"۔ ذات مصطفےٰ بھی نور۔ ذات الٰہی بھی نور کما قال۔ اللہ نور السمٰوٰت والارض بعض مفسرین نے سراج بھی آفتاب مراد لیا ہے اور بعض نے چراغ لیا ہے۔ یہ بھی درست وہ بھی درست۔ چراغ سے چراغ روشن ہوتے ہیں تو آفتاب سے چاند ستارے اکتساب نور کرتے ہیں۔ امام بوصیری فرماتے ہیں ؎

فانہ شمس فضل ہم کواکبہا ✤ یظہرن انوارہا للناس فی الظلم

پھر دیکھو آفتاب دنیا کی ضیاء پاشی اس عالم تک محدود ہے لیکن آفتاب رسالت کی روشنی دونوں عالم پر محیط ہے جیسا کہ وما ارسلنٰک الا رحمۃ

للعالمین سے ظاہر ہے پھر اس آفتاب حقیقت کے لئے خسوف ہے نہ کسوف نہ زوال ہے نہ غروب جس طرح وہ پہلے تاباں و درخشاں تھا اس طرح قیامت تک وہ جگمگاتا رہے گا۔ یہ نہ سمجھنا کہ حضور پرنور کے وصال سے یہ روشنی جاتی رہی حضرت امام غزالی فرماتے ہیں لا فرق بین حیاته ومماته آپ کی حیات و وفات میں کوئی فرق نہیں۔ التحیات میں السلام علیك ایها النبی ہم روزانہ کئی بار پڑھتے ہیں السلام علیہ نہیں بلکہ ضمیر مخاطب سے آپکو السلام علیک کے ذریعہ مخاطب کرتے ہیں۔ یا ایها النبی سے مزید وضاحت ہوتی ہے یہ ندا غائب کے لئے نہیں حاضر کے لئے ہے اسلئے حضرت امام غزالی نے فرمایا جب التحیات میں حضور پر سلام عرض کرو تو حضور کو اپنے دل میں تصور کرکے حضور تمہارے دل میں جلوہ گر ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

در دل مسلم مقام مصطفٰے است ✽ آبروئے ما ز نام مصطفٰے است

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تو اور تصریح کر دی اور فرمایا حقیقت محمدی ذرہ ذرہ میں جاری اور ساری ہے۔ قرآن شریف میں ہے اذا دخلتم بیوتا فسلموا اھلھا جب تم گھروں میں داخل ہو تو گھر والوں پر سلام کرو۔ حضرت شیخ محقق نے فرمایا کہ اگر گھر میں کوئی موجود نہ ہو تو السلام علیك ایها النبی کہو اور پھر اندر جاؤ اسکی وجہ یہ بتائی لان روح علیه السلام حاضرۃ فی بیوت اھل الاسلام اسلئے کہ آقائے نامدار کی روح مبارک اہل السلام کے گھروں میں موجود ہوتی ہے۔

حقیقت محمدی کے عنوان پر جو کچھ لکھا گیا وہ سمندر سے ایک قطرہ کے برابر بلکہ اس سے کم ہے لہٰذا میں حضرت جامی کے اس بیت کو دہرا کر یہ سطور ختم کرتا ہوں۔

لا یمکن الثناء کما کان حقه
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حضور کی عبدیت

ہر مسلمان کلمہ شہادت پڑھتا اور گواہی دیتا ہے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں۔ اس کلمہ میں 'عبد' پہلے ہے اور "رسول" بعد میں لہٰذا معلوم ہوا کہ پہلے عبدیت ہے اور پھر رسالت۔ بندہ کا رخ اپنے مولیٰ کی جانب ہوتا ہے اور رسول کا رخ خلق کی جانب بظاہر ہم بھی عبد ہیں لیکن حضور کی عبدیت ہماری عبدیت کی مانند نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل کیلئے نہ کسی استعارہ سے کام لیا جاسکتا ہے نہ کسی تمثیل سے کہ یہاں ؎

اے بروں از وہم و قال و قیل من ٭ خاک بر فرق من و تمثیل من

عبد کے معنے خادم اور غلام کے بھی ہیں عبد وہ ہے جس کی عزت و توقیر اس کے آقا و مولیٰ کی نسبت سے کی جائے۔ حضور ایسے عبد ہیں کہ آپ کی عظمت و رفعت و شوکت کو دیکھ کر آپ کے مولیٰ کی شان کبریائی کا اظہار ہوتا ہے کہ جب یہ بندہ اس شان کا ہے تو اس کے مولیٰ کی کیا شان ہوگی۔ یہ عبدیت کا خاص درجہ ہے جس میں عبد خود کو اپنے مولیٰ میں ایسا گم اور فنا کر دیتا ہے کہ ؎

؎ چوں فنا گشتی ہمہ چیز از تو گشت ٭ کا مصداق ہو جاتا ہے۔

مولانا مثنوی میں فرماتے ہیں۔

تو مباش اصلاً کمال این ست و بس ٭ تو درو گم شو وصال این ست و بس

یہ فنائیت اتم کا درجہ ہے جہاں بندہ اور مولیٰ کے مابین نسبت تامہ سے درمیانی حجابات و تعینات رفع ہو جاتے ہیں۔ مولیٰ کے پاس جو چیز ہوتی ہے وہ بندہ کی کردی

جاتی ہے من کان للہ کان اللہ لہ جب بندہ اللہ کا ہو جاتا ہے تو اللہ بندہ کا ہو جاتا ہے اور ساری خدائی اس کا کلمہ پڑھنے لگتی ہے اور اس کے روبرو جھک جاتی ہے ۔

جب دیکھا تماشا یہ خدا کی کبریائی کا
کہ جس کے در پہ چاہا سر جھکا ڈالا خدائی کا

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم عبدیت الٰہی اور انسانیت کبریٰ کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں یہ وہ مقام ہے کہ بالفاظ مولانا آزاد ۔

در جب اصحاب کشف و مشاہدات کے سامنے کھلا تو انہوں نے حقیقت محمدیہ کے احاطہ حیات و عدم زوال و بقاء و استمرار کو تمام انبیاء کے حقائق تعینات سے مافوق اور بوجہ دائرۃ الدوائر اور مرکز الحقیقتہ و ار تعینات مابعد نقطہ الحیات فی الاصل حقیقت ہوئے کہ تمام انوار تعینات وجود کو اسکی نورانیت کے سامنے بے فروغ و ماند پایا اور اس لئے شیخ اکبر نے اسکو "تعین اول" اور مورد صحیح اصطلاح "عقل اول" کا قرار دیا اور پھر "انسان کامل" کو بلحاظ بقاء و دوام فیضان و حیات وہی ایک "انسان کامل" "روح الاعظم" اور نفس الواحدۃ الکائنۃ ہے ۔ بعد حیات معنویہ مستمرہ نوع و ارض کی مرکزیت صرف اسی کو پہونچتی ہے اور اسی لئے قرآن حکیم نے صرف اسی وجود کو "العبد" کہا کہ ساری عبودتیں آنی و وقتی ہیں مگر صرف یہی وہ عبودیت کاملہ و واحدہ ہے جو ہمیشہ عباد و معبود میں واسطہ ہدایت اور ہمیشہ عبد کو معبود سے واصل کر دینے کے حی و قایم ہے ۔

منزہ عن شریک فی محاسنہ
فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

سورۂ زمر کی یہ آیت اس "عبد کامل" سے یہ اعلان کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔

قل یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمۃ اللہ
ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔

یعنی اے حبیب آپ فرما دیجئے اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو یقیناً اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔

اس آیت میں یاعباد اللہ نہیں بلکہ یاعبادی سے خطاب کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔

بندہ خود خواند احمد در رشاد ﴿ جملہ عالم را بخواں قل یاعباد
مثنوی شریف

حاکم نے مستدرک (ج ا ص ۱۲۶) میں لکھا ہے کہ حضرت سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے منبر نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والتحیۃ پر خطبہ پڑھا تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے کے بعد فرمایا۔ ایھا الناس قد علمت انکم تولنسون منی شدۃ وغلظۃ وذالک انی کنت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکنت عبدہ وخادمہ وکان کما قال اللہ بالمومنین روف رحیما فکنت بین یدیہ کالسیف الا ان یغمد نی اللہ اونیھا نی عن امر فاکف والا اقدمت علی الناس۔

"اے لوگو میں سمجھتا ہوں کہ تم مجھ میں شدت اور سختی کا احساس کرتے ہو اور چونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کا غلام اور خدمت گار بنکر رہا کیونکہ آپ کی وہ شان ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ آپ مومنین پر نہایت رحم اور شفقت کرنے والے تھے۔ لہٰذا میں آپ کے حضور میں ننگی تلوار بن کر رہا مگر یہ کہ اللہ مجھکو اپنی رحمت میں ڈھانک لیتا یا کسی کام سے روک دیتا تو میں رک جاتا۔

ورنہ میں آپ کی نرمی کی وجہ سے مجھے لوگوں کے مقابلہ میں اقدام کرنا پڑتا تھا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جہاں خود کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور خادم بتایا تو ایک شخص کے جواب میں اسی طرح مولائے کائنات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا "انا عبد من عبید محمد" میں حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے منجملہ ایک غلام ہوں۔ جب ایک محفل میں سیدنا علی کا یہ جواب نقل کیا تو مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددی کہتے ہیں کہ حضرت شاہ احمد سعید جو اکابرین ملت سے تھے یہ ایمان افروز جواب سن کر فرمایا۔

ما احسن قول المرتضیٰ فی احمدٍ ؛ انی لعبدٌ من عبید محمد

پندرھویں پارہ کی ابتدائی آیت ہے **سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ من ایاتنا انہ ھو السمیع البصیر۔**

مبارک ہے وہ جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرایا جس کے گرد و پیش کو ہم نے بابرکت کیا ہے تاکہ ہم اسکو اپنی نشانیوں سے بعض نشانیاں بتائیں۔ بیشک وہ نہایت سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اس آیت میں لفظ عبدہٗ نے پھر عبودیت اور معبودیت کے مابین نسبت کاملہ کا اظہار کرکے بتایا کہ لیجانے والا محب جانے والا محبوب۔ لیجانے والا معبود جانے والا اسکا خاص بندہ تھا۔ محب وہ ہے جو خود جائے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور محبوب وہ ہے جو بلایا اور لیجایا جائے۔

طور اور معراج کے قصہ سے ہوتا ہے عیاں
اپنا جانا اور ہے ان کا بلانا اور ہے

عبد اور عبدہٗ کے فرق کو علامہ اقبالؒ نے خوب بتایا ہے۔ فرماتے ہیں

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر ۔ او سراپا انتظار ایں منتظر
عبدہٗ دہر است دہر از عبدہٗ ۔ ما ہمہ رنگیم او بے رنگ و بو
عبدہ چند و چگون کائنات ۔ عبدہٗ راز درون کائنات
کس ز سر عبدہٗ آگاہ نیست ۔ عبدہ جز سر الا اللّٰہ نیست
عبدہٗ صورت گر تقدیرہاست ۔ اندریں تخریب ہا تعمیرہاست
مدعا پیدا نگردد زیں دو بیت ۔ تا نہ بینی از مقام ما رمیت

عبد اور ہے اور عبدہ اور ہے۔ "عبد" سراپا انتظار ہوتا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ وادی سینا میں۔ اور عبدہ وہ ہے جس کا رب انتظار فرمائے "عبدہ" جان کائنات ہے اور ساری کائنات اسی سے ہے۔ ہم سب با رنگ و بو ہیں۔ یعنے "عبدہ" وہ جس کا رنگ ساری کائنات میں ہو اور خود بے رنگ ہو۔ "عبدہ" سر کائنات ہے۔ کوئی شخص "عبدہ" کے راز سے واقف نہیں۔ وہ دراصل سر الا اللّٰہ ہے "عبدہ" سے سارے جہاد کی تقدیریں وابستہ ہیں۔ اس خراب خانہ یعنے دنیا کی صورتگری اور تعمیر اسی سے ہے۔ ان چند ابیات میں "عبدہ" کا کامل مفہوم واضح نہیں کیا جا سکتا۔ اگر عبدہ کی حقیقت معلوم کرنی ہو تو آیت ما رمیت اذ رمیت ولکن اللّٰہ رمیٰ ــــــ پر غور کرو کہ حضورؐ نے کافروں کی طرف کنکریاں پھینکیں اللّٰہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کے اس فعل کو اپنا فعل بتایا۔ حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

گرچہ تیر از کمان می گذرد ۔ از کمان دار بیند اہل خرد

یعنی اگرچہ تیر کمان سے نکلتا ہے لیکن عقلمند سمجھ جاتا ہے کہ اسکو چلانے والا کوئی اور ہے

حضور کی بشریت

محمد بشرٌ لا کالبشر بل ھو الیاقوت ما بین الحجر

حضرت خلیل اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام نے تعمیر کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد بارگاہِ الٰہی میں دعا مانگی ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم ایاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم۔ (سورۂ بقرہ رکوع ۱۶)

اے ہمارے رب ان میں سے ایک رسول انہی میں سے بھیج تاکہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرماوے اور ان کو تیری کتاب سکھلائے اور پختہ علم اور تعلیم دے اور انہیں خوب ستھرا فرما دے بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔"

یہ دعا مقبول ہوئی اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا مقصد کی تکمیل کے لئے اپنے حبیب کو روانہ کر کے ارشاد فرمایا لقد منّ اللّٰہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰلٍ مبین۔ (پارہ ۴ سورہ آل عمران رکوع ۱۷)

یقیناً اللہ نے اہل ایمان پر بڑا احسان فرمایا ہے کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اسکی آیتیں پڑھتا ہے ان کو پاک فرماتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے حالانکہ اس سے پیشتر وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

دوسری جگہ بھی بعثت کا یہی مقصد بتایا گیا۔ ارشاد ہوا۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانو من قبل لفی ضلالٍ مبین۔

حضورؐ نے بھی اپنی بعثت کا مقصود ان جامع الفاظ میں ارشاد فرمایا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الاَخْلَاق میں بلند ترین اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں۔

تاریخ شاہد ہے کہ تئیس ۲۳ سالہ دورِ نبوت میں آپ نے اپنی قوم کو جو ہمہ اقسام کی گمراہیوں میں مبتلا تھی تزکیہ نفس اور کتاب وحکمت کی تعلیم کے ذریعہ انسانیت کے بام عروج پر پہونچادیا۔ یہ وہ عظیم انقلاب تھا جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ فردوسی اپنے شاہنامہ میں اس حیرت انگیز انقلاب کا یوں ذکر کرتا ہے ؎

زشیر شتر خوردن وسوسمار عرب را بجائے رسیدست کار
کہ تخت کیاں راکنند آرزو تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

یہ تغیر اسی وقت رونما ہو سکتا تھا جبکہ حضور اس دورِ جاہلیت میں رہنے بسنے والی قوم میں انہی کے ساتھ رہ بس کر ان میں اندرونی انقلاب پیدا کریں۔ اس مصلحت کے تحت آپ کو لباس بشریت میں بھیجا گیا کہ الجنس یمیل الی الجنس لیکن اس حقیقت کے سمجھنے میں کم فہموں نے ٹھوکر کھائی اور کہدیا ان ھو الا بشرٌ مثلنا یہ تو ہم جیسے انسان ہیں۔ ما لھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق۔ یہ کیسا رسول کہ ہماری طرح خورد و نوش کرتا ہے بازاروں میں گشت لگاتا ہے۔ رسول ہوتا تو فرشتے کی شکل میں آتا۔ بشر کی صورت میں کیوں آتا۔

حق تعالیٰ نے اس اعتراض کا ان الفاظ میں جواب دیا کہ ولو جعلناہ ملکاً لجعلنٰہ رجلا وللبسنا علیھم ما یلبسون۔ (سورۂ انعام آیت ۹)

اگر ہم فرشتہ کو نبی بناکے تو اس کو بھی کسوت بشری میں بھیجتے اور یہ معترضین و منکرین کا التباس بدستور باقی رہتا۔

حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جب حضرت جبرئیل حضرت عیسیٰ کی ولادت کی بشارت

لیے آئے تو وہ بھی ان کے روبرو بشر کی شکل و صورت میں نمودار
جیسا کہ ارشاد ہوا فتمثل لھا بشراً سویا آقائے نامدار
میں حضرت جبرئیل وحی لاتے تو اکثر و بیشتر حضرت دحیہ کلبی کی صورت
بخاری میں یہ حدیث بھی ملتی ہے کہ صحابہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم
ت اقدس میں حاضر تھے اتنے میں ایک شخص آیا جس کا لباس صاف ستھرا
ر کی کچھ بھی علامت ظاہر نہ ہوتی تھی۔ یہ حضور کے زانو سے زانو لگا
۔ اور پوچھا کہ ما الاسلام اسلام کیا ہے؟ حضور نے جواب
وحدانیت کا اقرار کرنا اسکو معبود حقیقی جاننا اس کے ساتھ کسی کو
کرنا کہ میں اس کا رسول ہوں۔ پانچ اوقات کی نمازیں پڑھنا۔
، ایک ماہ رمضان میں روزے رکھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ استطاعت یعنی
ہونے کی صورت میں تمام عمر میں ایک بار حج کرنا۔ اس شخص نے کہا
تے ہیں۔ پھر دریافت کیا ما الایمان ایمان کیا ہے؟ حضور نے
پہ اسکے فرشتوں پہ اس کی کتابوں پہ اس کے رسولوں پہ روز
پہ تقدیر پہ یعنی خیر و شر اللہ کی جانب سے ہونے پر دل سے یقین
زبان سے اقرار کرنا۔ اس شخص نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔ پھر پوچھا
حسان احسان کیا ہے؟ حضور نے فرمایا ایسی عبادت کرنا گویا
دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ یقین کرنا کہ خدا تم کو دیکھ رہا
ں نے اس جواب کی بھی تصدیق کی اس کے بعد رخصت ہو گیا۔ آپ نے
محابہ سے پوچھا جانتے ہو یہ کون شخص تھا سب نے کہا اللہ ورسولہ اعلم
پ نے فرمایا تمہارے پاس جبریل آئے تھے تاکہ تم کو تمہارے دین کی تعلیم دیں۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت جبرئیل کسوت بشری میں آئے تو کیا وہ حقیقت میں بشر تھے۔ اس کا جواب اگر نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر حضور کی کسوت بشری میں تشریف فرمائی سے آپ پر مجرد بشریت کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے

کفار مکہ نے جب کہا کہ یہ تو ہمارے جیسے بشر ہیں تو حضور کو ان سے انما انا بشرٌ مثلکم کہنے کے لئے کہا گیا کہ ہاں میں بظاہر تم جیسا بشر ہوں۔ لیکن تم میں مجھ میں یہ فرق ہے کہ گو لباس بشریت پہنا ہوا ہوں مگر میں اللہ کا رسول ہوں۔ میرا کلام کلام حق ہوتا ہے میں اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتا وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ میرا کلام وحی کے مطابق ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ انما انا بشر مثلکم کے مخاطب کافر تھے۔ جو رسول کو اپنے جیسا انسان سمجھتے تھے۔ ایکم مثلی اور انا من وراء عقولکم فرما کر آپ نے مجرد بشریت کے تصور کے تار و پود بکھیر دئے اور باری تعالیٰ نے وتراھم ینظرون الیك وھم لایبصرون کے ذریعہ یہ بتا دیا کہ ؎

کافر کی نظر اور ہے مومن کی نظر اور

ارشاد ہوا کہ آپ مشاہدہ فرما رہے ہیں کہ کافر آپ کو دیکھ رہے ہیں لیکن دراصل اے حبیب یہ آپ کو نہیں دیکھ رہے ہیں۔ ان کی نظروں پہ پردہ پڑا ہوا ہے آپ کی نبوت کی شان دیکھنے سے یہ قاصر ہیں۔

مثنوی شریف میں مولانا نے کافروں کے اس باطل اور عقیدے کی اسطرح بیخ کنی فرمائی ہے کہ۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ÷ گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر
آں یکے شیر است ادم را خورد ÷ آں یکے شیر است کادم می خورد

گفتند اینک مابشر ایشاں بشر ٭ ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور
ہمسری با انبیاء برداشتند ٭ اولیاء را ہمچو خود پنداشتند
ایں نداستند ایشاں از عمے درمیاں فرقے بود بے انتہا
یعنی پاک اور ستودہ اصحاب کو خود پر قیاس نہ کرو۔ دیکھو لکھنے میں شیر
(درندہ) اور شیر (دودھ) یکساں ہیں۔
لیکن شیر آدمی کو کھا جاتا ہے۔ اور شیر دودھ کو آدمی استعمال کرتا ہے
کافروں نے کہا ہم بھی بشر ہیں اور یہ بھی بشر ہیں۔ ہم اور یہ دونوں خواب اور خورد ونوش کے پابند ہیں
ان کافروں نے انبیاء سے ہمسری کی۔ اور اولیاء کو اپنے مانند سمجھ لیا
ان عقل کے اندھوں نے یہ نہ جانا کہ دونوں میں بے انتہا فرق ہے
مولانا نے حضرت صدیق اکبرؓ اور ابوجہل کے نقاط نگاہ میں فرق بتایا کہ۔
دید احمدؐ را ابوجہل وبگفت ۔ زشت نخلے از بنی ہاشم شگفت
دید صدیقش بگفت اے آفتاب۔ نے ز شرقی نے ز غربی خوش بتاب
حاضریں گفتند اے صدر العلا ۔ راست گو گفتی دو ضدگو را چرا
گفت من آئینہ ام مصقول دوست ۔ ترک و ہندو در من آں بیند کہ اوست
حضرت احمد مجتبےٰ کو ابوجہل نے دیکھا تو کہا بنی ہاشم سے کیا ہی بدشکل پودا نکلا ہے۔
اور جب صدیقؓ نے دیکھا تو کہا کہ آپ آفتاب ہیں جس کی روشنی مشرق یا مغرب
تک محدود نہیں ہے خوب اپنی تابانی دکھلائیے۔
حاضرین نے کہا کہ اے صدر العلا آپ نے دونوں کے متضاد بیانات کی کیسے تصدیق فرمائی
حضور پرنور نے فرمایا میں اپنے محبوب کا صیقل کیا ہوا آئینہ ہوں۔ مسلمان اور
ہندو مجھ میں اپنی صورت دیکھتے ہیں جیسے خود ہیں اسی طرح مجھے بتاتے ہیں۔

ابوجہل نے اپنے مانند آپ کو مجرد بشر سمجھا اور صدیق اکبرؓ نے کسوت بشری میں کچھ اور جلوہ دیکھا۔

خوب ذہن نشین کر لو کہ نبی کریم نہ شرعاً ہمارے مثل ہیں اور نہ عقلاً ہمارے جیسے ہیں۔ ایمان، اعمال، احکام، معاملات الغرض کسی امر میں آپ ہمارے مماثل و مشابہ نہیں۔ حضور کا کلمہ ہے انی رسول اللّٰہ (میں اللہ کا رسول ہوں) اگر ہم یہ کلمہ پڑھیں تو کافر ہو جائیں۔ ہمارا کلمہ ہے اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں اور حضور پر ان پانچ نمازوں کے علاوہ چھٹی نماز تہجد بھی فرض ہے۔ ہمارے لئے اسلام کے پانچ ارکان ہیں یعنے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔ حضور پر زکوٰۃ کی ادائی فرض نہیں۔ ہماری موت کے بعد بیوی جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے حضور کی بیویوں کو امہات المومنین قرار دیا گیا لا تنکحوا النساء النبی بعدہ ابداً کا حکم ہوا۔ یعنے نبی کے بعد نبی کے ازواج مطہرات سے ہرگز عقد نہ کرنا۔ ہماری میراث قابل تقسیم۔ نبی کریم کی میراث ناقابل تقسیم۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ہم گروہ انبیاء کسی کا ورثہ پاتے ہیں نہ ہماری کوئی میراث ہوتی ہے۔ ہم قانون کے پابند مگر حضور جو ارشاد فرمادیں وہی قانون یحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث آپ پاک چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام فرماتے ہیں۔ جسکو آپ حلال ٹھیرادیں وہ حلال جسکو حرام ٹھیرادیں وہ حرام۔ مثلاً حکم ہوا کہ عرفات میں نماز مغرب نہ پڑھنا۔ مزدلفہ کو روانہ ہو جانا اور وہاں پہونچکر مغرب اور عشاء ملا کر پڑھنا۔ دیکھیے نماز مغرب کا وقت آپ کے حکم سے تبدیل ہو گیا۔ حضرت خذیمہؓ

وصف یہ رحمۃ للعالمین پھر اس پہ حبیب پھر اس پہ درجہ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مثنوی میں مولانا روم نے کیا خوب نصیحت فرمائی کہ۔

مصطفیٰ یہ نور رب العالمین — مصطفیٰ را حق بیاں و حق بیں
نور و نور و نور و نور و نور و نور — از ہمہ اوہام و تصویرات دور
فہم کن واللہ اعلم بالصواب — ذرّیشہ رُوپوش آمد آفتاب

دو جہاں کی رحمت

بسوئے ما غریباں ہم بہ بینی
تو آخر رحمۃٌ للعالمینی

اللہ تبارک وتعالیٰ رب العالمین ہیں اور آقائے نامدار احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم (ارواحنا فداہ) رحمۃٌ للعالمین ہیں۔ اللہ دونوں جہاں کا رب ہے اور حضور دونوں جہاں کے لئے رحمت ہیں۔ جہاں جہاں ربوبیت کی تجلی ہے وہاں وہاں رحمت کی جلوہ گری ہے ربوبیت کا اقتضاء ہے کہ جمادات، نباتات، حیوانات غرض ہر قسم کی مخلوق کی پرورش اور اس کا نشوونما اس کے حسب حال ہو۔ ایک معمولی جرثومہ سے ہاتھی بلکہ اس سے بڑھکر دیوہیکل وھیل مچھلی کی بمصداق۔ حصہ بقدر جثہ پرورش ہوتی رہے۔ ہر ایک کی غذا مختلف اور پھر اس کی مقدار بھی مختلف لیکن کارخانۂ قدرت سے سب کی سپلائی جاری ہے۔ بچہ ابھی شکم مادر میں ہوتا ہے کہ اس کے ناف سے ایک ٹیوب کے ذریعہ اسکی غذا کی فراہمی کا انتظام کردیا جاتا ہے اور پھر شکم مادر سے بیرونی دنیا میں اس کے ظہور سے قبل ہی ماں کی چھاتی میں دودھ کا ڈپو قائم ہوجاتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ پیدا ہونے کے بعد اس شیرخوار بچہ کو نہ چلنے پھرنے کی صلاحیت ہوتی ہے نہ بات کرنے کی قابلیت۔ فطری طور پر اس ڈپو سے اپنی بھوک اور پیاس کو بجھانے کیلئے الہام ہوتا ہے اور وہ بغیر کسی نشاندہی کے جب بھوک اور پیاس ہوتی ہے تو خودبخود اس ڈپو کا رخ کرتا ہے۔ ربوبیت کی اس کارفرمائی کے ساتھ ساتھ رحمت بھی مصروف عمل ہوجاتی ہے۔ ماں کے دل ودماغ میں نوزائیدہ بچے کی محبت ڈالدی جاتی ہے بچہ بھوک سے رونے لگتا ہے تو فرط محبت سے دودھ پلانے کا جذبہ بھی ابھرنے

لگتا ہے۔

عالم ماسوی اللہ کو کہتے ہیں۔ اللہ کے سوا جو کچھ ہے وہ عالم ہے۔ ربوبیت عالم کے لئے عالم کے ہر جزو کل کا علم ضروری ہے۔ ان اللہ قد احاط بکل شیئ علما۔ قادر مطلق کا علم ہر شئے پر محیط ہے اگر یہ علم نہ ہو تو پھر ہر شئے کا حال کیسے معلوم ہو۔ اس کی نشو نما کس طرح ہو۔ اس کی ضرورتیں کس طرح پوری ہوں لہٰذا ربوبیت کا اقتضاء ہے کہ رب کا علم بھی محیط ہو اسکی ہر شئے کی احتیاج کی تکمیل پر قدرت بھی حاصل ہو۔ اگر علم رہے لیکن قدرت نہیں رہے تو پھر ربوبیت کا کام کس طرح انجام پائے گا۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ احاطت علم کے علاوہ قدرت بھی وسیع و بسیط و محیط ہو۔ انّ اللہ علیٰ کل شیئ قدیر سے معلوم ہو گیا کہ اللہ کی قدرت بھی محیط ہے۔

اسی طرح رحمت کا تقاضہ ہے کہ وہ بھی عام ہو۔ ہر شئے کا حال اس پر منکشف ہو تا کہ ذرّہ ذرّہ فیضان رحمت سے متمتع اور مستفید ہو سکے۔ اسی لئے حضرت جامی قدس سرہ السّامی دونوں جہاں کے لئے رحمت بن کر آنے والے آقا سے یوں مخاطب ہوتے ہیں ؎

تو سلطان صاحب سریر آمدی ٭ علےٰ کل شیئ قدیر آمدی

تو معلوم ہوا کہ رحمۃ للعالمین کی رحمت بھی بسیط ہے محیط ہے اور فیض رسانی کی اس میں قوت و قدرت بھی ہے۔ فی الحقیقت حضور پر نور مظہر حق عزوجل ہو مرآۃ جلال ذوالجلال ہیں۔ خدا کی قدرت اور ربوبیت کا تماشا دیکھنا ہو تو اس آئینہ رحمت میں دیکھو من رأنی فقد رائی الحق آپ کی رؤیت رؤیت حق ہے۔ حضرت کاملؔ نے کیا خوب فرمایا ؎

اللہ کو دیکھا ہے کسی نے تو بتا دے ٭ جسکو بھی نظر آئے نظر آئے محمدؐ

ربوبیت کے اظہار کے لئے رحمت کا وجود ضروری ہے آفتاب کو کوئی آنکھ بھر نہیں دیکھ سکتا کہ وہ مظہر جلال ہے۔ دیکھنا ہو تو رحمت کے سبز شیشے کی آڑ لیکر آفتاب کا مشاہدہ کرو۔ ذات حق ذو الجلال والاکرام اور ذات نبی از سرتا پا جمال۔ حشر میں بھی جبکہ منتقم حقیقی کی آتش جلال بھڑکے گی تو اس وقت بھی اس پیکر جمال کی رحمت جوش میں آئے گی۔ اس میدان دار وگیر میں لوگ ابو الآباء سیدنا آدمؑ سے شفاعت کے لئے رجوع ہونگے۔ تو وہ فرمائینگے کہ اذھبوا الی غیری میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت نوحؑ کے پاس یہ سمجھ کر جائیں گے وہ نجی اللہ ہیں وہ ہماری شفاعت کریں گے لیکن حضرت نوحؑ حضرت موسیٰؑ کے پاس جانے کے لئے کہیں گے کہ وہ کلیم اللہ ہیں۔ مگر حضرت موسیٰؑ فرمائیں گے عیسیٰؑ کے پاس جاؤ وہ روح اللہ ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ آج کی مشکل صرف اس ذات سے حل ہو گی جو رحمۃ للعالمین ہے۔ گنہگاران امت حضور پرنور کی خدمت اقدس میں اپنی شفاعت کے لئے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ ارشاد ہو گا انا لھا۔ انا لھا ہاں ہاں میں اس کام کے لئے ہوں۔ آپ بارگاہ رب العزت میں سر بسجدہ ہو جائیں گے۔ ارشاد باری ہو گا ارفع رأسك اے حبیب اپنا سر اٹھائیے سَل تعطہ کیا مانگتا ہے مانگو دیا جائے گا اشفع تشفع شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ الحاصل آتش جلال کے شعلے اسی باران رحمت سے ٹھنڈے ہوں گے اور سچ پوچھو تو منشاء قدرت بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس روز کہ جب یوم یفر المرء من اخیه وامه وابیه وصاحبته وبنیه کی کیفیت ہو گی حضور کی شان رحمت کا شاندار مظاہرہ کیا جائے۔

بس اتنی ہے حقیقت انعقاد روز محشر کی ٭ تمہاری شان رحمت کی بتائی جانیوالی ہے

ڈاکٹر اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے

عجب ہے تماشا کہ دوزخ کی آتش ٭ بجھائے خدا اور بجھائیں محمدؐ

بقول مداح رسول امیر مینائی ہے

وہ کرشمے شانِ رحمت نے بتائے روز محشر ٭ یہ چیخ اٹھا ہر بے گنہ میں بھی گنہگاروں میں ہوں

یہ رحمت صرف گنہ گاران امت کے لئے نہیں بلکہ ہے

ہم تو کیا انبیاء بھی خدا کی قسم ٭ کچھ نہ کچھ تم سے پائے ہیں یا مصطفیٰ

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کا یوں اظہار فرمایا ہے

اَنْتَ الَّذِی لَمَّا تَوَسَّلَ آدَمُ ٭ مِنْ زَلَّةٍ فَازَ وَهُوَ اَبَاكَ

وَبِكَ الْخَلِيلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُهُ ٭ بَرْدًا وَقَدْ خَمَدَتْ بِنُورِ سَنَاكَ

وَدَعَاكَ اَيُّوبُ لِضُرٍّ مَسَّهُ ٭ فَاُزِيلَ عَنْهُ الضُّرُّ حِينَ دَعَاكَ

وَكَذَالِكَ مُوسٰى لَمْ يَزَلْ مُتَوَسِّلًا ٭ بِكَ فِي الْقِيَامَةِ مُحْتَمًا بِحِمَاكَ

وَالْاَنْبِيَاءُ وَكُلُّ خَلْقٍ فِي الْوَرٰى ٭ وَالرُّسُلُ وَالْاَمْلَاكُ تَحْتَ لِوَاكَ

ان اشعار کے مفہوم کو مولانا جامیؒ نے اسطرح ادا کیا ہے

اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم ٭ نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

نہ ایوب از بلا راحت نہ یوسف حشمت و شوکت ٭ نہ عیسیٰ آں مسیحائی نہ موسےٰ آں ید بیضا

اور امام بوصیری فرماتے ہیں ہے

وَكُلُّ آيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا ٭ فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُورِهِ بِهِمْ

فَاِنَّهُ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا ٭ يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ ٭ غَرْفًا مِنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِنَ الدِّيَمِ

یعنی تمام انبیاء رسل سے جو معجزے ظاہر ہوئے وہ دراصل حضورؐ کے نور ہی کا اثر تھا۔ کیونکہ آپ آفتاب فضل ہیں اور تمام انبیاء تارے ہیں۔ یہ اس آفتاب سے اکتساب نور کر کے اپنے انوار ظلمت کفر میں لوگوں کے لئے پھیلا رہے تھے۔ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دریائے رحمت سے ایک چلو یا اسکے موسلا دھار باران کرم سے ایک قطرہ کے طلبگار ہیں۔

ان اشعار سے معلوم ہوا کہ انبیائے سابقین دراصل حضور اکرم کے نائبین تھے۔ ان سے جو معجزے صادر ہوئے وہ آپ ہی کے فیضان کا نتیجہ تھے۔ بالفاظ دیگر یہ سب نبی کریم کے آئینے تھے۔ جن سے جمال محمدی جھلک رہا تھا۔ وما احسن ما قال ؎

خویشتن را جلوہ کردی اندریں آئینہ ہا ٭ آئینہ ہر ہم نہادی خود باظہار آمدی

اس رحمت عالم ان کے نور کی تخلیق اسوقت ہوگئی تھی جبکہ ہنوز حضرت آدم آب و گل میں تھے۔ اور اسی وقت آپ کو نبوت کا اعلیٰ وارفع منصب بھی عطا کر دیا گیا تھا۔ کنت نبیًا وآدم بین الماء والطین اور ایک حدیث میں کنت نبیًا وآدم بین الروح والجسد بھی آیا ہے۔ پھر جنت سے ہبوط کے بعد حضرت آدم نے اپنی لغزش کے لئے طلب آمرزش و مغفرت کی اور انکی گریہ وزاری بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو چند کلمات کی تلقین کی فتلقی آدم من ربہ کلمات۔ مفسرین کے تشریح کے بموجب یہ کلمات یہ تھے کہ۔

اللھم انی اتوب الیک بحبیبک ونبیک محمد

اے اللہ میں تیرے حبیب اور نبی کا واسطہ لے کر توبہ کرتا ہوں۔

یہ وسیلہ کام آیا اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم۔ یہ وہی آدم ہیں جن کے لئے فرشتوں کو سجدہ کرنے

کا حکم دیا گیا تھا اور اس فسجدوا لآدم کے حکم کے تحت تمام فرشتوں نے بجز ابلیس کے سجدہ کیا۔ فسجد الملائکۃ کلھم اجمعین الا ابلیس ابی واستکبر وکان من الکافرین۔ جب ابلیس سے اس انکار کی وجہ اللہ تعالیٰ نے دریافت کی تو اس نے یہ وجہ بتائی کہ انا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین۔ یعنی میں آدم سے اچھا ہوں اور تو نے ان کو مٹی سے اور مجھے آگ سے پیدا کیا ہے۔ لیکن یہ توجیہ کام نہیں آئی اور وہ ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ ہو گیا۔

مفسرین نے فرشتوں کو حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دئے جانے کی یہ وجہ بتائی کہ ان کی پیشانی سے نور محمدی ﷺ چمک رہا تھا۔ دراصل آدم کے پردے میں اس نور کے لئے سجدہ تھا۔ جو اللہ کے نور ہی کا ظہور تھا۔ جیسا کہ حدیث انا من نور اللہ وکل شیئ من نوری سے واضح ہوتا ہے۔ ابلیس کو بھی زندان لعنت میں گرفتار اسی لئے ہوا کہ حضرت آدم کی پیشانی کی تابانی کی حقیقت سمجھ نہ سکا۔ حضرت خلیل ؑ اس نور کے حامل ہوئے۔ نمرود کے حکم سے جب ان کو آگ میں پھینکا جا رہا تھا تو حضرت جبرئیل ؑ نے حاضر ہو کر پوچھا الک حاجۃ کیا آپ کو کوئی حاجت ہے۔ حضرت خلیل ؑ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا اما الیک فلا تم سے تو مجھے کوئی حاجت نہیں علمہ بحالی یغنی عن سوالی اللہ کو میرے حال کا علم ہے جس نے مجھے سوال کرنے سے مستغنی کر دیا ہے۔ وہ حال یہی تو تھا کہ حضرت خلیل نور محمدی ﷺ کے حامل تھے۔ ان کو پورا یقین تھا کہ نار نور پر غالب نہیں آ سکتی۔ جب اس اعتماد کے بل بوتے حضرت خلیل ؑ نے لب کشائی نہ کی تو خود رب العالمین نے فرمایا یا نار کونی برداً وسلاماً علی ابراھیم کہ اے آگ ٹھنڈی ہو جا لیکن ایسی ٹھنڈی نہ ہونا

کہ ابراہیم کو گزند پہونچے ۔ میں کہاں تک رحمۃ للعالمین کے فیضان رحمت کو بتاتا جاؤں کہ ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

میرا مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ حضور کی کسوت بشری میں جلوہ گری کے قبل ہی سے آپ کی رحمت سے انبیاء مستفید ہو رہے تھے اور آپ عالم نور سے انکی مدد فرما رہے تھے ۔ اور جب کسوت بشری میں برآمدی ہوئی تو چشم کائنات نے دیکھا کہ یہ رحمت کتنی بسیط اور محیط ہے ۔ یہاں تک کہ آپ کے منکرین بھی اس رحمت سے محروم نہیں رہے ۔ باوجود انکار اور طرح طرح کی تکالیف پہونچانے کے آپ نے دعا کی تو یہ کی کہ اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون ۔ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ میری حقیقت سے ناآشنا ہیں ۔

حضرت نوح نے اپنی قوم کی نافرمانیوں سے تنگ آکر دعا کی تھی رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا ۔ الٰہی روئے زمین پر کفار کا کوئی شہر باقی نہ رکھنا ان کی تمام آبادیوں کو نیست و نابود کر دینا ۔

عاد و ثمود کی سرتابی کا بھی یہ حشر ہوا کہ ان کی آبادیوں کو تہس نہس کر دیا گیا ان کے شہروں کا تختہ الٹ دیا گیا ۔ لیکن حضور کا دور آیا تو نہ صرف خسف و مسخ کا عذاب جاتا رہا بلکہ ارشاد باری ہوا ۔ وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم ۔ اے حبیب اللہ کو یہ گوارا نہیں کہ آپ ان میں رہیں اور وہ ان پر عذاب نازل کرے ۔ اس طرح رحمۃ للعالمین کے وجود سراپا رحمت نے کافروں کو عذاب سے بچا لیا ۔

فتح مکہ کے بعد حضور کے جانی دشمن لرزہ براندام ہو گئے ان کی بداعمالیاں انکی

نگاہوں میں پھر رہی تھیں کہ نامعلوم اب ان کا کیا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ حضور نے ان سے پوچھا بتاؤ تم مجھ سے کس سلوک کے متوقع ہو۔ کہنے لگے کہ آپ رحیم وکریم ہیں۔ آپ ہم سے نیک سلوک ہی فرمائیں گے۔ حضور نے اعلان فرمایا لا تثریب علیکم الیوم آج تم پر کوئی گرفت نہیں انتم الطلقاء تم سب چھوڑ دئے گئے۔ اس رحمت بیکراں کا اس واقعہ سے اندازہ کرو کہ آپ نے یہ بھی اعلان کر دیا کہ ابوسفیان کے گھر میں جو پناہ لے اس کو بھی پناہ دی جائے گی حالانکہ ابوسفیان نے نہ صرف اسلامی لشکر کے بالمقابل صف آرائی و نبرد آزمائی کی بلکہ بانی اسلام کے قتل کے منصوبے بنائے تھے۔ اس طرح جانی دشمن بھی رحمت سے محروم نہ رہے تو حضور کے نام لیوا کیسے محروم رہیں گے الصالحون للہ والطالحون لی نیکوکار خدا کے اور برے میرے ہیں ؎

دوستاں را کجا کنی محروم
توکہ با دشمناں نظر داری

محبوبیّت

صرف محبت ہوئی حشر میں کام آنے جلیل
طاعتیں آئیں نہ زہد آیا نہ تقوے آیا

حضور سید عالم محبوبِ رب العالمین ہیں اس محبت کی بنیاد تخلیق کائنات سے قبل ہی ہوگئی تھی۔ حدیث قدسی میں ہے کہ کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ "میں گنج مخفی تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا"

اس حدیث میں "خلقاً" نہیں بلکہ الخلق آیا ہے جس سے نورِ محمدی کی تخلیق کی جانب اشارہ ہے۔ دوسری حدیث نے اس کنایہ کو صراحت سے بدل دیا۔ ارشاد ہوا اول ماخلق اللہ نوری وخلق کل شیٔ من نوری۔ "سب سے پیشتر اللہ نے میرا نور اور پھر میرے نور سے ہر چیز پیدا کی"

یہ بھی حدیث قدسی ہے لولاک لماخلقت الافلاک "اگر اے حبیب آپ نہ ہوتے تو افلاک یعنی کائنات کو پیدا نہ کرتا"

مولانا روم مثنوی میں ذات رسالت سے مخاطب ہوکر عرض کرتے ہیں۔

اے وجود تو تجلّی نور نور — گنج مخفی از تو آمد در ظہور

محب نے چاہا کہ اپنا جمال و کمال اپنے محبوب کے آئینہ میں دیکھے محب کا جلوہ محبوب میں نظر آئے اور اس طرح نظر آئے کہ محبوب کو دیکھ لیا تو گویا محب کو دیکھا اس شانِ محبوبیت کو خود محبوب کی زبان خیر ترجمان سے سنو من رأنی فقد رأ الحق جس نے مجھے دیکھا اس نے یقیناً حق کو دیکھا۔

رویت حق شد رویت حق شد الحق یا الحق رویت حق شد

دید رُخ تاباں محمد صلی اللہ علیہ وسلم

محبوب کی راست رویت جمال الٰہی تعالیٰ عزوجل لا تدرکہ الابصار حضرت کلیمؑ نے اس جلوے کے دیدار کی خواہش کی تو جواب ملا لن ترانی تم ہرگز مجھے دیکھ نہیں سکتے تو عام خلق کی نگاہیں جمال الٰہی کا کیسے مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ ایک ہی صورت ہے کہ محبوب کے آئینہ میں اسکے محبوب کے جمال و کمال کا مشاہدہ کرو۔

اللہ کے اس محبوب کو خود اپنی محبوبیت پہ ناز تھا۔ زرقانی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل، حضرت موسیٰ کو نجی اور مجھے حبیب بنایا۔ پھر آپ نے اللہ کی عزت و جلال کی قسم لیکر ارشاد کیا کہ میں اپنے لئے محبوب ہونا اپنے خلیل اور نجی ہونے سے پسند کرتا ہوں۔ یہ بھی آپ نے فرمایا۔ الا لا ایمان لمن لا محبۃ لہ آگاہ ہو جاؤ کہ جسے میری محبت میں اسے ایمان نہیں۔ یہ ناز محبوبیت ہے جو محبوب کیلئے بجا و درست ہے کیونکہ۔

آئینہ مغرور حُسنِ خویشتن ہرگز نہ شد ملکہ می بیند جمالے در جمال خویشتن

حضورؐ ادھر اللہ کے محبوب اور ادھر خلق کے محبوب ؎

اللہ کے محبوب سے ہے عشق کا دعویٰ ؛ بندوں کا بھی کیا حوصلہ اللہ غنی ہے

(امیر مینائی)

پھر محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے۔ حضور کو اہل بیت سے محبت ہے تو ان سے محبت بھی حضور سے محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے محبوب سے یہ اعلان کرنے کے لئے فرمایا کہ قل لا اسئلکم اجرا الا المودۃ فی القربیٰ اے حبیب آپ کہدیجئے

کہ میں تم سے کسی اجر یا صلہ کا طالب نہیں ہوں ۔ البتہ تم سے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ محبت چاہتا ہوں ۔ اسلئے حضرت امام شافعی نے اہل بیت اطہار سے مخاطب ہو کر فرمایا ۔

یا اھل بیت النبیؐ ان حبکم ۔ فرض من اللہ فی القرآن انزلہ
کفیٰ لقدر العلے ھذا فضلکم ۔ من لم یصلی علیکم لاصلوٰۃ لہ

دنیا والوں کی محبت دنیا کے لئے ہوتی ہے اور اپنے اغراض کے لئے ۔ اپنے آباء اور اجداد، اولاد سے محبت، رشتہ داروں سے محبت، مال و دولت سے محبت ۔ الغرض انسان کو جو شئے عزیز ہوتی ہے وہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے ۔ لیکن فانی کی محبت فانی ہوتی ہے ۔ بسا اوقات یہ دیکھا جاتا ہے یہ محبت جس غرض کے تحت ہوتی تھی وہ غرض باقی نہ رہے یا اس کی تکمیل ہو جائے یا اس سے مایوسی ہو جائے تو پھر تو یہ محبت رخصت بلکہ زائل ہو جاتی ہے ۔ حسن کے لئے محبت ہوتی رہی حسن جاتا رہا تو محبت بھی جاتی رہی ۔ دولت کے لئے محبت ہوئی دولت ختم ہو گئی تو محبت بھی رخصت ہو گئی ۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ درمیان میں ناسازگار واقعات اور حالات پیش آگئے تو محبت میں خلل اور فرق پڑ گیا بلکہ محبت نفرت سے بدل گئی ۔ اسلئے داغ دہلوی نے نصیحت کی تھی کہ ؎

بڑھاؤ نہ آپس میں الفت زیادہ ۔ مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ

لیکن اللہ اور اس کے رسول کی محبت دائمی ہوتی ہے والذین اٰمنوا اشد حباً للہ جو ایمان والے ہوتے ہیں تو اللہ کے لئے ان کی محبت بہ کمال شدت و انتہائی راسخ ہوتی ہے ۔ جیسے جیسے ایمان، عرفان اور ایقان کے مدارج اور ان کی کیفیات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ۔ یہ محبت والہانہ انداز اختیار کرتی جاتی ہے ۔ اُحِبَّ اللہ حتیٰ یقول لک النّاس مجنون ۔

تمام وہ چیزیں جو ابتداً محبوب تھیں نظروں میں ہیچ ہو جاتی ہیں۔ اب اگر کسی سے محبت ہو تو اس کا معیار اَلحُبُّ للّٰہِ والبُغضُ للّٰہِ ہوتا ہے یعنے محبت ہو تو اللہ کے لئے عداوت ہو تو اللہ کے لئے اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حبّ الدنیا راس کل خطیئۃ دنیا کی محبت تمام ریاکاریوں اور نفرتوں کی بنیاد تھی

دنیا دیدی و ہر چہ دیدی ہیچ ست ٭ داں نیز کہ گفتی و شنیدی ہیچ ست

اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے یہ اعلان کرنے کے لئے ارشاد فرمایا

قل ان کان آباؤکم وابناءکم واخوانکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا احب الیکم من اللہ ورسولہ فتربصوا حتیٰ یاتی اللہ بامرہٖ۔

"اے محبوب اعلان کر دیجئے اگر تمہارے آباد واجداد، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی بند، تمہارے قبیلے اور وہ اموال و اسباب جن کو تم نے جمع کر رکھا ہے اور وہ تجارت جسکی کساد بازاریوں کا تم کو خدشہ لگا رہتا ہے اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ محبوب اور عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر کر دے۔

صحیح بخاری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان بھی ملتا ہے کہ لا یکون منکم مومنا حتیٰ اکون احب الیہ من نفسہ وولدہ ومالہ والناس اجمعین تم میں کوئی اس وقت تک ایمان میں کامل نہیں ہو سکتا جب تک میں اسکے نزدیک اسکی جان، اس کی اولاد اس کے مال بلکہ تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں تو معلوم ہوا کہ ؎

نبی کی محبت بڑی چیز ہے ٭ خدا دے یہ دولت بڑی چیز ہے

حضرت عمرؓ
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ انتَ احبُّ الیَّ یا رسول اللہ من کل شیءٍ

اِلّا نفسی الّتی بین جنبی فقال لہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام لا یکون مومناً حتی اکون احبّ الیک من نفسک فقال عمرؓ والّذی انزل علیک الکتاب لانت احب الی من نفسی الّتی فی جنبی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاٰن یا عمر تم ایمانک۔

سننے اے اللہ کے رسول آپ کو بجز میری جان کے جو میرے پہلو میں ہے ہر چیز سے زیادہ چاہتا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک میں تم کو تمہاری جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ پھر عمرؓ نے عرض کیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی آپ مجھے میری اس جان سے جو میرے پہلو میں ہے زیادہ محبوب ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! عمر! اب تمہارا ایمان کامل ہوا۔

اس حدیث نے واضح کر دیا کہ ایمان کی تکمیل آقائے نامدار سے والہانہ عشق و محبت پر منحصر ہے اگر اس میں کمی ہے تو ایمان میں بھی نقص ہے۔

معراج کی حقیقت کے عنوان کے تحت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا نماز عصر کو حضور کے آرام پر قربان کر دینے کا واقعہ گذر چکا ہے۔ حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطیٰ کے ذریعہ دیگر فرض نمازوں کی حفاظت کا حکم دینے کے ساتھ صلوٰۃ الوسطیٰ یعنی نماز عصر کی حفاظت کا خاص طور پر علاحدہ حکم دیا گیا جس سے اس نماز کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس علیؓ نے جس نے آغوش رسالت میں پرورش پائی اور علم و فضل کی بلندیوں پر پہونچ کر انا مدینۃ العلم و علیؓ بابہا حضور علم کا شہر تو علی اس کا دروازہ ہو گئے اب کوئی اس شہر میں آنا چاہے تو اس دروازہ سے آئے بحکم واتوا البیوت من ابوابہا نماز عصر کی ترغیب اور اہمیت کو جانتے ہوئے بھی اپنے محبوب

کے آرام کو مُقدّم سمجھا۔ علی کرّم اللہ وجہہ کی نظر میں اپنے نبی کی استراحت نمازِ عصر کی خاص فرضیت اہمیت اور فضیلت سے زیادہ اہم اور افضل تھی۔ اب ہے کوئی ایسا بدبخت کہ جو سیدنا علی جیسی باعظمت شخصیت پر حکم خداوندی کی خلاف ورزی کا الزام عاید کرے۔ مکہ معظمہ سے ہجرت کے ارادہ سے حضور حبیب مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے اور کفار مکہ آپ کے تعاقب میں نکلے تو غارِ ثور میں آپ نے خود کو پنہاں رکھنا قرین مصلحت تصور فرمایا۔ رفیق سفر سیدنا صدیق اکبر نے پہلے غار میں داخل ہو کر اس کی صفائی شروع کی اپنی چادر چاک کر کے اس کے ٹکڑوں سے سارے سوراخ بند کر دئے لیکن ایک سوراخ باقی رہ گیا اس کو بند کرنے کے لئے جب کپڑا نہ رہا تو اس پر اپنی ایڑی لگا دی پھر حضور غار میں رونق افروز ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زانو پر آرام فرمایا۔ سوراخ میں سوئے اتفاق سے سانپ تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ڈس لیا۔ آپ بے تاب ہو گئے لیکن جنبش اس خیال سے نہ کی کہ مبادا سید عالم کے آرام میں خلل ہو اور آپ بیدار ہو جائیں لیکن درد کی شدت کے باعث آنکھوں سے آنسوؤں کے چند قطرے رخسار مبارک پر گر پڑے۔ حضور نے بیدار ہو کر جب صورت حال معلوم کی تو زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے وہ چنگا ہو گئے۔ اور تکلیف ایسی جاتی رہی کہ جیسے ہوئی ہی نہ تھی۔ لیکن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے تو اپنی جان کی بازی لگا دی تھی ؎

وما العجب ما قال

مولا علی نے واری تیری نیند پر نماز ✽ اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
صدیق بلکہ غار میں جان اپنی دے چکے ✽ اور حفظ جاں تو جان فروض غرر کی ہے
ہاں تو نے ان کو جان انھیں پھیر دی نماز ✽ پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے
ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں ✽ اصل مراد بندگی اس تاجور کی ہے

اشاروں اور کنایوں سے کام لیا مگر حضرت حبقوق نبی نے صدیوں پہلے اپنے مشاہدہ کو ان الفاظ میں علانیہ ظاہر فرمایا کہ۔

"اللہ جنوب سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا اسکی شوکت سے آسمان چھپ گیا زمین احمد کی حمد سے بھر گئی۔ (کتاب نبی مذکور باب ۳)

اور حضرت یسعیاہ نبی نے اس آنے والے واقعہ کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا کہ

"عرب کے صحرا میں رات کاٹو گے اے ودانیو کے قافلو! پانی لیکر پیاسے کا استقبال کرتے آؤ، اے تیماء کی سرزمین کے باشندو روٹی لیکر بھاگنے والوں کو ملنے آؤ۔ کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلواریں کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔ (یسعیاہ باب ۲۱)

اور صریح الفاظ میں حضور کا نام لے کر اسطرح پیش گوئی فرمائی۔

"سلع کے باشندے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں سے للکاریں گے وہ خداوند کا جلال ظاہر کرینگے"

اسی کتاب کے باب ۴۲ میں ہے کہ

"سلع مدینہ کے ایک پہاڑ کا دامن ہے جہاں سے لوگ اپنی بکریوں کے لئے گھاس لاتے ہیں۔ اب تک یہاں خندق کے نشانات موجود ہیں اور یہ پہاڑ بھی اس نام سے اب تک مشہور ہے۔

حضرت سلیمان جنکو ملکوت السموات والارض کی سیر کرائی گئی اور کائنات کو انکے قبضہ تسخیر میں دیدیا گیا تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا علانیہ نام لیکر ارشاد فرمایا " خلو محمدیم زہ دودی زہ رعی " (تسبیحات سلیمان پ ۵-۱۶)

یعنی وہ ٹھیک محمد ہیں وہ میرے حبیب ہیں میری جان ہیں "

قال رجلان من الذین یخافون انعم اللہ علیھما ا د
علیھم الباب فاذا دخلتموہ فانکم غالبون وعلی اللہ فتو
ان کنتم مومنین۔

"اس موقع پر ان خدا ترس اشخاص نے کہا کہ تم دروازے میں تو دا
جب تم داخل ہو جاؤ گے تو یقین جانو تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان و ا
پر بھروسہ کرو لیکن ان لوگوں نے یہی رٹ لگائی کہ۔

انا لن ندخلھا ابداً ما داموا فیھا فاذھب انت و
فقاتلا انا ھھنا قاعدون۔

کہ اے موسیٰ ہم تو وہ لوگ جب تک رہیں ہر گز داخل نہ ہونگے آپ او
رب دونوں جائیں اور اپنی موت کے گھاٹ اتاریں ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔

لیکن جب سید عالم نے جہاد کا اعلان فرمایا تو صحابہ تشریف میدان کارزار
پڑے یہ وہ وقت تھا کہ خاک و خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ سر تن سے کٹ
کر گر رہے تھے۔ دست بدست شمشیر زنی ہو رہی تھی ھل من مبارز کے نع
بلند ہو رہے تھے۔ بیٹا باپ کے مقابلہ میں، باپ بیٹے کے مقابلہ میں۔ چچا بھ
مقابلہ میں، بھتیجا چچا کے مقابلے میں صف آرا ہو گیا تھا۔ جنگ احد میں حضو
تیروں کی بارش ہونے لگی تو حضرت ابو طلحہ سینہ سپر ہو گئے۔ آپ کو اپنی آ
لے لیا خود تیروں کا نشانہ بن گئے۔ سارا بدن تیروں کے زخموں سے چھلنی ہو گیا
آیت کی عملی تفسیر پیش کر دی کہ النبی اولی بالمومنین من انفسھم۔
ایمان داروں کو اپنی جان سے زیادہ پیارے ہیں۔ حضور پیچھے ہٹے تو ایک گڑھ
آ رہے آپ نظروں سے اوجھل ہوئے تو آپ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی جانثا

کے ہوش جاتے رہے جب آپ کو ادھر لیا گیا تو جمال انور کے مشاہدے سے صحابہ کی جان میں جان آئی۔ قبیلہ بنی دینار کی ایک عورت نے جسکا باپ بھائی اور شوہر شہید ہو گئے تھے حضور کی شہادت کی افواہ سنیں تو حواس باختہ دوڑتی ہوئی آئی، ہر ایک سے پوچھنے لگی کہ حضور کہاں ہیں جب اسکو اس کے باپ بھائی اور شوہر کی شہادت کی اطلاع دی گئی تو سنی کو ان سنی کر دیا۔ فکر تھی تو حضور کی سلامتی کی فکر تھی جب اس نے آپ کو صحیح سلامت دیکھا تو خدا کا شکر ادا کیا اور آپ سے مخاطب ہو کر عرض کیا۔ كُلُّ مُصِيبَةٍ لاجِلِكَ اَهْوَن - آپ کے لئے ہر مصیبت ہیچ ہے (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صـ۹۹ مطبوعہ مصر)

یہ بھی دیکھا گیا کہ جب جہاد کا اعلان ہوا تو اس میں شامل ہونے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایسے نوجوان جو قد و قامت میں پست تھے اس خیال سے کہ انہیں جہاد میں شرکت کی اجازت نہیں ملیگی اپنی ایڑیوں پر کھڑے ہو کر خود کو بلند قامت ظاہر کر رہے تھے۔ ہر دل میں بس یہی لگن تھی ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ٭ سر دوستاں سلامت جو تو خنجر آزمائی

ان عاشقان رسول نے اپنی عزیز جانوں کو خاک و خون میں تڑپ تڑپ کر آپ پر نثار کر دیا۔

بنا کردند عجب رسمے بخاک و خون غلطیدن ٭ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ہر ایک نے اپنی جان کا نذرانہ دیکر بھی کوئی احسان نہ جتلایا اور یہ سمجھا کہ ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی ٭ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

قال رجلان من الذين يخافون انعم الله عليهما ادخلوا عليهم الباب فاذا دخلتموه فانكم غالبون وعلى الله فتوكلوا ان كنتم مومنين۔

"اس موقع پر ان خدا ترس اشخاص نے کہا کہ تم دروازے میں تو داخل ہو جاؤ جب تم داخل ہو جاؤ گے تو یقین جانو تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ پر بھروسہ کرو لیکن ان لوگوں نے یہی رٹ لگائی کہ۔

انا لن ندخلها ابدا ما داموا فيها فاذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون۔

کہ اے موسیٰ ہم تو وہ لوگ جب تک رہیں ہرگز داخل نہ ہونگے آپ اور آپکا رب دونوں جائیں اور اپنی موت کے گھاٹ اتاریں ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔

لیکن جب سید عالم نے جہاد کا اعلان فرمایا تو تشریف میدان کارزار میں کود پڑے یہ وہ وقت تھا کہ خاک و خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ سر تن سے کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ دست بدست شمشیر زنی ہو رہی تھی هل من مبارز کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ بیٹا باپ کے مقابلہ میں، باپ بیٹے کے مقابلہ میں۔ چچا بھتیجے کے مقابلہ میں، بھتیجا چچا کے مقابلے میں صف آرا ہو گیا تھا۔ جنگ احد میں حضور پر تیروں کی بارش ہونے لگی تو حضرت ابو حذیفہ سینہ سپر ہو گئے۔ آپ کو اپنی آڑ میں لے لیا خود تیروں کا نشانہ بن گئے۔ سارا بدن تیروں کے زخموں سے چھلنی ہو گیا۔ اس آیت کی عملی تفسیر پیش کر دی کہ النبی اولى بالمومنين من انفسهم۔ نبی ایمان داروں کو اپنی جان سے زیادہ پیارے ہیں۔ حضور پیچھے ہٹے تو ایک گڑھے میں آ رہے آپ نظروں سے اوجھل ہوئے تو آپ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی جانثاروں

ید ہو گئے تھے حضور کی شہادت کی افواہ سنیں تو حواس باختہ دوڑتی ہوئی آئی،
یل سے پوچھنے لگی کہ حضور کہاں ہیں جب اسکو اس کے باپ بھائی اور شوہر کی
ادت کی اطلاع دی گئی تو سنی کو ان سنی کر دیا۔ فکر تھی تو حضور کی سلامتی کی فکر
جب اس نے آپ کو صحیح سلامت دیکھا تو خدا کا شکر ادا کیا اور آپ سے مخاطب
عرض کیا۔ کُلُّ مصیبۃٍ لاجلک اھون ۔ آپ کے لئے ہر مصیبت ہیچ ہے
(سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صـ ۹۹ مطبوعہ مصر)

یہ بھی دیکھا گیا کہ جب جہاد کا اعلان ہوا تو اس میں شامل ہونے کے لئے
، دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایسے نوجوان جو
قامت میں پست تھے اس خیال سے کہ انہیں جہاد میں شرکت کی اجازت نہیں ملیگی
یڑیوں پر کھڑے ہو کر خود کو بلند قامت ظاہر کر رہے تھے۔ ہر دل میں بس یہی لگن تھی ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ۔ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ان عاشقان رسول نے اپنی عزیز جانوں کو خاک و خون میں تڑپ تڑپ کر آپ
نثار کر دیا۔

کردند عجب رسمے بخاک و خون غلطیدن ۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ہر ایک نے اپنی جان کا نذرانہ دیکر بھی کوئی احسان نہ جتلایا اور یہ سمجھا کہ ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی ۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مقتضیاتِ محبّت

جس طرح ہر معاملہ کے بعض مقتضیات ہوا کرتے ہیں عشق و محبت کے بھی چند قرائن و مقتضیات ہیں۔ ان کے منجملہ ادب و احترام تمام مقتضیات پہ مقدم ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؔ کے الفاظ میں ؎ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو جن نظروں اور دلوں میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا۔ جنہوں نے اپنے آقا و مولیٰ پر اپنے مال و دولت گھر بار کو لٹا دیا تھا اور اپنی جانوں کو نثار کر دیا تھا۔ تاکید کی گئی کہ وہ اپنے اس محبوب کا جو محبوب رب العالمین بھی ہے ہمیشہ ادب احترام ملحوظ رکھیں۔ یہانتک کہ اپنی آواز تک آپ کی آواز سے اونچی نہ کریں۔ نیک کاموں میں بھی آداب کا خیال رکھیں۔ آپ پہ سبقت لے جانے کی کوشش نہ کریں۔ حضور قربانی دینے سے قبل قربانی دی ہو تو مکرر قربانی دی جائے کہ پہلی قربانی سبقت کرنے کی وجہ سے درست نہ تھی لہذا ناقابل قبول۔

یا ایہا الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم کے ذریعہ یہ حکم دیا گیا کہ اے ایمان والو جب اللہ اور اسکے رسول دونوں تم کو ایسی چیز کی جانب بلائیں جو تمہارے لئے پیام زندگی ہو تو فوراً جواب دو۔ جس جگہ رہو جس حال میں رہو یہاں تک کہ حالت نماز میں بھی رہو تو آواز سنتے ہی لبیک کہو اور دوڑتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو جاؤ۔

محدثین اور اکابرین امت نے حدیث سنانے والے کا کسی قسم کی تعظیم کے لئے اٹھنا ترک ادب اور مکروہ بتایا ہے۔ سلف صالحین اگر ان کو کوئی تکلیف یا ضرر بھی پہونچے

تو حدیث قطع نہ کرتے تھے۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ حدیث سنا رہے تھے اس دوران میں ان کے بدن پر بچھو نے سترہ دفعہ نیش زنی کی مگر امام نے جنبش تک نہ کی۔

ان کے متعلق یہ بھی روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ نے مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اس اثناء میں خلیفہ جعفر عباسی بھی آگیا۔ امام کو دیکھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ یا امام اگر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جالی مبارک کی جانب منہ کیا جائے تو قبلہ کی جانب پشت ہو جاتی ہے اور اگر قبلہ کی جانب منہ کیا جائے تو جالی شریف کی طرف پشت ہو جاتی ہے ایسی صورت میں کیا کیا جائے۔ امام نے جواب دیا کہ ارے ان سے کیوں منہ پھیرتا ہے یہ تیرے بھی وسیلہ ہیں تیرے باوا آدم کے بھی وسیلہ ہیں قبلہ کی طرف پشت کر ان کی طرف منہ کر کے صلوٰۃ وسلام عرض کر۔

حضرت امام مالک محبوب رب العالمین کے خاص محبین میں تھے۔ عشق ومحبت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار ان کے ہر قول وفعل سے ہوتا ہے۔ مدینہ منورہ سے کبھی باہر اس خیال سے نہ گئے کہ کہیں وہاں موت آجائے۔ تمنا اور آرزو نے انہیں باہر نکلنے نہ دیا کہ اپنے محبوب کے قدموں کے نزدیک ان کا دم نکلے۔ چنانچہ انکی یہ تمنا پوری ہو کر رہی۔ مسجد نبوی سے باہر نکلتے تو برہنہ پا نکلتے۔ کبھی نعلین نہ پہنی کہ مبادا جو جگہ حضور سید نور کے زیر قدم آئی ہو اس پر نعلین پڑ جائے۔ قضائے حاجت کے لئے شہر مدینہ سے باہر چلے جاتے اور فارغ ہو کر واپس آتے۔

حضرت امام شافعی کے عشق ومحبت کا یہ عالم تھا کہ وہ اہل بیت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اس قدر احترام کرتے کہ بعض حاسدین نے یہ کہنا شروع کیا کہ آپ نے نعوذ باللہ رفض اختیار کیا ہے۔ امام نے یہ سن کر فرمایا۔

ان کان رفضا حب آل محمد فلیشهد الثقلان انی رافضی

اگر آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت رفض ہے تو پھر دونوں جہان کو گواہی دینی چاہیئے کہ میں رافضی ہوں۔

اہلبیت کی فضیلت کے متعلق آپ کی ایک رباعی لکھی جا چکی ہے۔ یہاں اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے لیکن ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ ابھی ابھی یہ گذر چکا ہے کہ حدیث شریف کے وقت کوئی آجائے تو اسکی تعظیم کے لئے اٹھنا ترک ادب اور مکروہ ہے۔ مگر امام ایک دفعہ اثنائے درس میں بار بار کھڑے ہو جاتے اور پھر بیٹھ جاتے بعد فراغت درس بعض حاضرین نے اسکی وجہ دریافت کی تو فرمایا ایک کم عمر سید زادہ کھیلتے ہوئے لب بام آجاتا تھا جب میری اس پہ نظر پڑتی تو میں احتراماً ادب سے کھڑے ہو جاتا اور پھر وہ جب نگاہ سے غائب ہو جاتا تو بیٹھ جاتا۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک آنحضرت کی دعوت کی میں بھی حضور کے ساتھ تھا جب روٹی اور شوربا آپ کے سامنے لایا گیا اس میں خشک گوشت کی بوٹیاں اور کدو کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے میں نے دیکھا کہ حضور پیالہ کے اطراف سے کدو کے ٹکڑے تلاش کر کے تناول فرما رہے ہیں۔ اسلئے اس دن سے میں کدو کو محبوب رکھتا ہوں۔ (بخاری جلد ۲ ص۸۱۷ باب المرق)

اب حضرت امام یوسف کا بھی حال سن لو" آپ کے سامنے اس روایت کا ذکر آیا کہ حضور کو کدو بہت پسند تھا۔ اس مجلس میں ایک شخص نے کہا کہ میں تو اس کو پسند نہیں کرتا یہ سنکر حضرت امام یوسف نے تلوار کھینچ لی اور فرمایا کہ اپنے ایمان کی تجدید کر ورنہ میں ضرور تجھ کو قتل کر ڈالوں گا۔ (رواہ شرح مشکوٰۃ)

کسی نے کہا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو نہایت پسند تھا حاضرین میں سے

دوسرے نے کہا مجھے تو پسند نہیں۔ یہ کہنا تھا کہ امام نے نیام سے اس کو قتل کرنے کے لئے تلوار نکالی۔ خلیفہ نے درمیان میں آ کر معذرت کی اور اس شخص نے توبہ کیا تو معاملہ رفع دفع ہوا۔ غور کرو کہ کدو کھانے پر ناپسندیدگی کے اظہار کو جب کہ آقائے نامدار کو پسند تھا۔ امام نے بے ادبی و گستاخی پر محمول اور کہنے والے کو واجب القتل قرار دیا۔ اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ائمہ و سلف صالحین حضور کا کس درجہ ادب کیا کرتے تھے۔ اس دور میں بھی جبکہ احترام و تکریم کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے۔ عشق و محبت کے سرشاروں پر شرک اور بدعت کے الزامات عائد کئے جا رہے ہیں۔ تو سلف صالحین کے آداب کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اور خیال ہوتا ہے کہ وہ اگر اس وقت ہوتے تو وہ ان دریدہ دہنوں کو انکی بے ادبیوں اور گستاخیوں سے صرف نظر کر لیتے یا انکے سر گردن سے جدا کر کے فی النار والسقر کر دیتے۔

میری والدہ محترمہ کے حقیقی ماموں حضرت ملک محمود المعروف بہ زرد علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اور آل بیت اطہار سے والہانہ عشق و محبت رکھتے تھے۔ دستر خوان پر کدو کا سالن آتا تو آقائے نامدار کی پسندیدگی کے پیش نظر اسے کدو شریف کہتے۔ میرا بچپن تھا میں ہنسنے لگتا اور میرے ساتھ اور بچے بھی ہنسنے لگتے پھر باوجود علم و فضل اور کبرسنی کے ان کا یہ حال تھا کہ میں کبھی حاضر ہوتا تو فرماتے پیر و مرشد ذرا نزدیک آئیے میں کچھ قریب ہوتا تو فرماتے کہ اور نزدیک آئیے جب نزدیک ہو جاتا تو یکایک سیدھا ہاتھ میرے پاؤں کو پھیر کر اپنے منہ پر پھیر لیتے میں شرم سے عرق عرق ہو جاتا کہ ایسے بزرگ جن کی سفید داڑھی ناف تک پہونچ گئی ہو، جن کے دست حق پرست کو دوسرے لوگ چومتے ہوں وہ میرے پاؤں کو ہاتھ لگا کر اپنے منہ پر پھیر رہے ہیں۔

اسی طرح بحر العلوم مولانا عبد القدیر صدیقی حسرت جن کی خدمت میں نماز فجر کے بعد حدیث پڑھنے جایا کرتا تھا۔ درس سے فارغ ہونے کے بعد جب میں اٹھنے لگتا تو کبھی ہاتھ بڑھا کر میرے قدموں کو پکڑ لیتے اور منہ پہ پھیر لیتے میں ندامت سے پسینہ پسینہ ہو جاتا اور عرض کرتا کہ حضرت میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں مجھے بے ادب نہ ٹھیرائیے میں آپ کے سامنے ایک ذرہ بے مقدار ہوں ذرہ کو آفتاب سے کیا نسبت یہ سن کر مسکرا دیتے اور فرماتے ارے تو آقا زادہ ہے اسلئے کبھی بے اختیاری میں مجھ سے یہ حرکت سرزد ہو جاتی ہے۔

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ابوالوفا افغانی رحمتہ اللہ علیہ کے دولت خانہ پر ایک دفعہ دن کے دس بجے حاضر ہوا دروازہ کھٹکھٹایا مکان میں ان کے سوا اور کوئی نہ تھا دریافت فرمایا کون ہے، میں نے کہا آپ کا محمود۔ دروازہ کی زنجیر کھولدی میں نے آداب و سلام بجالایا اندر داخل ہوا۔ دالان میں بیٹھنا چاہتا تھا فرمانے لگے ابھی مت بیٹھو اور پھر بازو کے کمرے میں جاکر ہرن کا ایک چمڑا لے آئے چھوٹی ستون کے سامنے بچھا دیا پھر فرمایا ابھی ٹھیرے رہو پھر تشریف لے گئے اور ایک تکیہ اٹھا لائے اور ستون سے لگا دیا اور پھر فرمایا اب اس سے ٹیکہ لگا کر بیٹھو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں اپکے شاگردوں کے شاگرد کی حیثیت بھی نہیں رکھتا مجھ سے یہ گستاخی نہیں ہو سکتی۔ فرمانے لگے میں حکم دیرہا ہوں میں جس طرح کہہ رہا ہوں اس طرح عمل کرو، بالآخر میں نے الامر فوق الادب کہہ کر ان کے ارشاد کی تعمیل کی سامنے دو زانو بیٹھ گئے اور فرمانے لگے محمود میں تم سے اس طرح کیوں پیش آتا ہوں، میں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ فرمانے لگے تم جب میرے سامنے آتے ہو تو تمہارے بزرگوں کی صورت میری نظر میں پھرنے لگتی ہے۔ میں دراصل تم سے اس طرح پیش آکر تمہارے بزرگوں کی روح کو خوش کرتا ہوں سچ ہے

جن کے رتبے ہیں سوا انکو سوا مشکل ہے۔

شفاء قاضی عیاض میں یہ عبارت بھی نظر سے گذری۔

"حضور کے ہر امتی پر فرض ہے کہ حضور اور آپ سے نسبت رکھنے والی تمام چیزوں کی تعظیم و توقیر اور ان کے ادب و احترام کرے اور ہر گز ہر گز کبھی ان کی شان میں بے ادبی نہ کرے۔ ارشاد خداوندی ہے "بے شک ہم نے اے رسول تمہیں حاضر ناظر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنایا کہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور رسول کی تعظیم اور توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرو۔ (سورۂ فتح)

حضرت قاضی عیاض نے فرمایا کہ اس بات پر تمام علمائے امت کا اجماع ہے کہ حضور کو گالی دینے والا یا انکی ذات یا ان کے خاندان، انکے دین، انکی کسی خصلت میں نقص بتانے والا یا انکی طرف اشارہ کنایہ کرنے والا یا حضور کو بدگوئی کے طریقہ پر کسی چیز سے تشبیہ دینے والا یا آپکو عیب لگانے والا یا آپکی شان کو چھوٹی بتانے والا۔ یا آپ کی تحقیر کرنے والا۔ بادشاہ اسلام کے حکم سے قتل کر دیا جائے گا۔ اسی طرح حضور پر لعنت کرنے والا یا آپ کے لئے بد دعا کرنے والا، یا آپ کی طرف کسی ایسی بات کی نسبت کرنے والا جو آپکے منصب کے لائق نہ ہو، یا آپ کے کسی مضرت کی تمنا کرنے والا، یا آپکی مقدس جناب میں کوئی ایسا کلام کرنے والا جس سے آپکی شان میں استخفاف ہوتا ہو، یا کسی آزمائش یا امتحان کی باتوں سے آپ کو عار دلانے والا سلطان اسلام کے حکم سے قتل کر دیا جائیگا اور اسکی توبہ قبول نہیں کیجائیگی۔ اور سلف صالحین کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایسے شخص کو کافر قرار دیکر قتل کر دیا جائیگا۔ محمد بن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی کی شان میں بدزبانی کرنے والا آپکی تنقیص کرنیوالا کافر ہے اور جو اسکے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اور توہین رسالت کرنے والے کو دنیا میں یہ سزا ہے کہ وہ قتل کر دیا جائیگا۔ (شفا شریف ج ۲ ص ۱۲۹)

اسی شفا شریف میں ہے کہ حضور کے اہل بیت اور آپکی ازواج مطہرات اور آپکے اصحاب کو گالی دے یا انکی شان میں تنقیص کرے حرام ہے اور ایسا کرنے والا ملعون۔" (شفاء ج ۲ ص ۲۵۹)

۴۔ محبت کا یہ بھی اقتضا ہے کہ محب محبوب کی رضاجوئی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی کیسی رضاجوئی کی اور اپنے محبوب کی رضاجوئی کی اس کے دامن سے وابستگان کو کیسی تاکید فرمائی اس کی چند مثالیں پیش ہیں۔

حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواہش ہوئی کہ بجائے بیت المقدس کے بنائے خلیل مسلمانوں کا قبلہ قرار پائے۔ بحالت نماز آپ بار بار آسمان کی جانب روئے مبارک اٹھا کر دیکھ رہے اور وحی کا انتظار کر رہے تھے۔ بالآخر یہ وحی نازل ہوئی

قد نری تقلب وجهك فی السماء فلنولینك قبلة ترضها

اے حبیب ہم آپ کو اپنا رخ بار بار آسمان کی طرف پھیرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ہم بھی اسی قبلہ کی جانب جس کو آپ چاہتے ہیں منہ پھیرتے پہ رضامند ہیں آپ اسی جانب پلٹ جائیں چنانچہ عین نماز میں آپ بیت المقدس کی طرف سے بیت اللہ کی جانب پلٹ گئے۔ یہ واقعہ جس مسجد میں پیش آیا مسجد قبلتین کے نام سے مشہور ہوگئی۔

حضرت امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قبلۃ ارضٰھا نہیں فرمایا یعنے یہ ارشاد نہیں کیا جس قبلہ کو میں چاہتا ہوں اس کی جانب پھر جائے بلکہ قبلۃ ترضٰھا فرمایا یعنے آپ جس قبلہ کی جانب پلٹنا چاہتے تھے اس جانب پلٹ جائیے۔ یہ طرز کلام اللہ تعالیٰ کی اپنے محبوب کی رضاجوئی کا کھلا ثبوت ہے۔ ۱۳۵۱ھ میں پہلے حج کے موقع پر مسجد قبلتین میں مجھے نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی اس وقت میں نے یہ رباعی لکھی تھی۔

کام دشوار سے دشوار نکل سکتا ہے ✿ الجھنیں لاکھ سہی تم سے سنبھل سکتا ہے
میری تقدیر بدلنا نہیں دشوار تمہیں ✿ تم اگر چاہو تو قبلہ بھی بدل سکتا ہے

ایک دفعہ نزول وحی میں طویل وقفہ ہوگیا۔ حضور کو خیال گذرا کہ کہیں وحی کا سلسلہ

تو منقطع نہیں ہوا اور طبیعت پر یہ واقعہ گراں گذرنے لگا۔ اپنے محبوب کی یہ گرانیٔ طبع اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہوئی بالآخر سورہ والضحیٰ نازل کرکے اسکو رفع فرمادیا۔ ارشاد ہوا والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ آپ کے رخ روشن اور آپ کے گیسو تابدار کی قسم ما ودعك ربك وما قلیٰ آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا نہ علیحدہ ہوا وللآخرۃ خیر لك من الاولیٰ آپ کی پچھلی زندگی اگلی زندگی سے بہتر ہے ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ آپ پر آپ کے رب کے عطاؤں کی ایسی بارش ہوگی کہ آپ رضامند ہو جائیں گے۔

ان دو قرآنی مثالوں سے اللہ تعالیٰ کی اپنے محبوب کی رضا جوئی اظہر من الشمس ہوگئی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

خدا کی رضا کے ہیں لوگ طالب ٭ خدا چاہتا ہے رضائے محمدؐ

اب قرآن سے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حضور کی رضا کو اپنی رضا پر مقدم رکھنے کی جو تاکید فرمائی ہے اس کی دو مثالیں ملاحظہ کیجئے۔

ایک دفعہ حضور کے مال غنیمت کی طریق تقسیم پر حرقوص ابن زبیر نے عرض کیا یا محمد (صلعم) آپ تقسیم میں عدل فرمائیں۔ حضور نے فرمایا میں اگر عدل نہ کروں تو دنیا میں کون کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے طریق تقسیم پر اتفاق کرتے ہوئے اس ناراض گروہ کے طرز عمل پر اپنی ناراضگی ظاہر فرمائی۔ ارشاد ہوا ولو انھم رضوا ما اٰتٰھم اللہ ورسولہ ۔ وقالوا حسبنا اللہ سیؤتینا اللہ من فضلہ ورسولہ انا الی اللہ راغبون۔ (توبہ آیت ۵۸)

یعنے اگر وہ لوگ اللہ اور اسکے رسول نے ان کو جو عطا کیا اس پر راضی ہوتے اور

کہتے کہ ہم کو اللہ اور اس کا رسول عنقریب اپنے فضل سے نوازیں گے اور ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والوں میں تھے ان کے لئے مناسب ہوتا۔

قوص کے اس طرح مخاطب اور مطالبہ کرنے پر سیدنا عمرؓ نے اجازت چاہی کہ اس بے دین کو قتل کر دیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اسکو چھوڑ دو کیونکہ یہ ارادہ الٰہی ہو چکا ہے کہ اس کی نسل سے ایک قوم پیدا ہوگی جن کی نمازیں اور ظاہری تقویٰ تمہاری نمازوں اور تقوے سے بڑھکر ہوگا۔ مگر وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتی ہے وہ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن کریم انکے گلے سے نہ اترے گا۔ اس پر یہ آیت اتری اور فرمایا گیا کہ " اگر یہ لوگ اللہ اور رسول کے دئے پر راضی ہو جاتے اور کہتے کہ اللہ ہم کو کافی ہے وہی اپنے فضل سے ہمکو عطا کریں گے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔

یہ بھی دیکھو کہ تقسیم رسول کے ہاتھوں سے ہوئی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول کے اس دین کو اپنی دین بھی بتایا ہے بالکل اسی طرح کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کو اپنے ہاتھ پر بیعت۔ آپ کے ہاتھ سے کنکریاں پھینکنے کو اپنے ہاتھ سے پھینکنا بتایا اس سے معلوم ہوا کہ حضور کا فعل اللہ کا فعل ہے۔

اس سورہ توبہ میں یہ آیت بھی ملتی ہے یحلفون باللہ لکم لیرضوکم واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ ان کانوا مومنین۔

یعنی تم کو خوش کرنے کیلئے منافقین اللہ کے نام سے حلف لیتے ہیں لیکن فی الواقع یہ ایماندار ہوتے تو یہ سمجھتے کہ اللہ اور اسکا رسول انکی رضا کے زیادہ حقدار ہیں۔

ایک اور آیت میں بھی صراحت کی گئی کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر میں فیصلہ کر دیں تو پھر کسی کو اس کے خلاف لب کشائی یا عمل کرنے کا اختیار باقی

نہیں رہتا اور اگر ایسا کریں تو یہ صریح گمراہی ہے۔ بالفاظ دیگر ان پر لازم تھا کہ اس فیصلہ پر دل و جان سے وہ رضامند ہو جائیں۔ آیت یہ ہے ومن کان لمومن ولا مومنة اذا قضیٰ اللہ ورسولہ امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبینا۔

۳۔ محبت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ محبوب کی اتباع اور اطاعت کیجائے المحب لمن یحب مطیع چاہنے والا جس کو چاہتا ہے اسکا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے۔ محبت کا ثبوت محبوب کی اتباع اور اطاعت سے ملا ہوتا ہے۔

بہر حال سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے آپ سے ناراضی بسبب انکار طاعت کفر ہے اور بحیثیت ترک طاعت فسق و گناہ کبیرہ آپ کی ناراضی و نافرمانی سے اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرما کر منع کیا فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبهم فتنة او یصیبهم عذاب الیم۔

وہ لوگ جو آپ کو ناراض کرتے ہیں آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیئے کہ وہ دنیا میں کسی فتنہ میں مبتلا کر دئے جائیں یا اپنی آخرت میں دردناک عذاب جھیلنا پڑے۔

لیکن سنو کہ محبت کے بعد اطاعت ہے اور محبت سے پہلے ایمان ہے۔ محبت ہوگی تو اطاعت اور عمل صالح کی نوبت آئے گی۔ محبتؐ اطاعت اور عمل صالح پر مقدم ہے اور پھر محبت کی بنیاد ایمان ہے۔ محبت سے ایمان کا پتہ چلے گا۔ اطاعت اور عمل صالح سے محبت کی نشاندہی ہوگی۔ تو دیکھو قرآن میں سب سے پہلے ایمان پر زور دیا گیا ہے اس کے بعد عمل صالح کی تاکید ہے پہلے امنوا ہے تو پھر عملوا الصالحات ہے اب اگر صرف عمل صالح جو اطاعت ہی میں شامل ہے زور دیا جائے اور ایمان کو نظر انداز کر دیا جائے اور یہ کہدیا جائے کہ ایمان کا مقصد انسانوں کو نیک کردار بنانا تھا انبیاء بھی اسی مقصد کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوئے تھے اب اگر کوئی شخص زبان سے خدا کی وحدانیت کا اور خاتم رسالت کی نبوت کا اقرار نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ نبی کریم صرف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھانے کے لئے نہیں آئے تھے یہ کلمہ تو طوطے اور مینا بھی پڑھ سکتے ہیں اسلام کی تعلیم کا مقصد صرف کلمہ پڑھنے سے پورا نہیں ہوتا۔ کوئی مسلمان جو زبان سے کلمہ پڑھتا ہو لیکن جس کا کردار ٹھیک نہ ہو تو کیا وہ صرف کلمہ پڑھنے سے جنت کا مستحق ہو جائے گا۔ اس کے بالمقابل اگر کوئی ایسا شخص ہو جو توحید و رسالت کا قائل نہ ہو لیکن اس میں وہ تمام صفات موجود ہوں تو جو تعلیمات اسلامی کے معیار پر پورے اترتے ہو تو کیا محض توحید و رسالت کے انکار سے وہ جنت سے محروم اور دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے بالکل برعکس ہونا چاہیئے۔ یہ وہ فتنہ تھا جو ایک زمانہ میں نیاز فتح پوری نے پیدا کیا تھا۔ اپنے رسالہ نگار کے صفحات کے صفحات سیاہ کئے تھے۔ پھر ایک ایسے مفکرِ اسلام بھی پیدا ہوئے جنہوں نے قرآن کا انگریزی میں ترجمہ کر کے اپنی تحقیق و قرآن فہمی کا ثبوت

دینے کی کوشش کی اور آیات قرآنی کے ترجمہ میں اسی نکتہ نظر کو بھی شامل کر دیا اسلئے میں کہتا رہتا ہوں کہ قرآن مجید کے ترجمہ کے انتخاب میں احتیاط لازم ہے اسلئے کہ یہ ترجمے یہ تفاسیر ان جدید مفسرین کی ذہنی کاوشوں یا قلابازیوں پر مشتمل ہوتی ہیں جنکی تائید مستند تفاسیر سے ہوتی ہے نہ احادیث سے۔ کہدیا جاتا ہے کہ نئے اسلوب سے تفسیر کی گئی ہے۔ تحقیق کا نیا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ حالات حاضرہ کے پیش نظر ایسے ہی ترجمہ اور تفسیر کی ضرورت تھی اسلئے کہ یہ سائنٹفک دور ہے اس زمانے میں تفہیم قرآن کے لئے اب ایسے ہی ترجمہ اور تفسیر کی ضرورت ہے۔ لیکن سنو کہ حامل قرآن نے اپنے نور نبوت سے یہ دیکھ لیا تھا کہ ایسا وقت بھی آئے گا جبکہ تفسیر "تفسیر بالرائے" ہوگی تفہیم قرآن نہ ہوگی بلکہ تنقیص منشائے قرآن ہوگی۔ اور آگاہ فرمادیا کہ من فسر القرآن برایۃ فقد جعل مقصدہ فی النار او کما قال یعنے جو اپنی رائے سے تفسیر کرے تو اس نے دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنالیا۔

ایسی تفسیر سے جنت کا دروازہ تو نہ کھلا دوزخ کا دروازہ کھل گیا۔ لہذا ان نئی تحقیقات کے پھندوں میں نہ آؤ اور خوب سمجھ لو کہ پہلے ایمان ہے اور پھر عمل صالح۔ اگر کسی کافر کا عمل صالح ہو تو اسکی جزا اس کو اسی دنیا میں دی جائے گی۔ ومالہ فی الآخرۃ من خلاق۔ آخرت میں اسکا کوئی حصہ نہیں۔

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ حضور پرنور نے ان کو یہ پیام دوسروں تک پہونچا دینے کے لئے فرمایا کہ من قال لا الٰہ الا اللہ فقد دخل الجنۃ جو لا الٰہ الا اللہ کہدے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ حضرت ابوذرؓ نے پوچھا وان زنیٰ وان سرق یارسول اللہ کہ اے اللہ کے رسول اگر کوئی زنا یا چوری کرے تو کیا وہ بھی جنت کا مستحق ہوگا۔ حضور نے اثبات جواب دیا۔ حضرت ابوذرؓ نے متحیر ہو کر پھر

وہی سوال کیا اور پھر حضور نے وہی جواب دیا۔ تیسری دفعہ ابوذرؓ نے پھر جب اپنا سوال دھرایا تو حضور نے انداز بہمی سے فرمایا و لوکان علے الفِ ابی ذر اب بجز اسکے چارہ نہ تھا کہ حضرت ابوذرؓ نکلیں اور یہ خوشخبری ہر کلمہ گو کو دیتے جائیں۔ اتفاق سے رہگذر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا سامنا ہو گیا اور جب معلوم ہوا کہ لوگوں کو یہ بشارت دینے نکلے ہیں تو ان کے منہ پہ طمانچہ رسید کر دیا حضرت ابوذرؓ بارگاہ رسالت میں شکایت کرنے حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ بھی پہنچ گئے۔ اور عرض کیا کہ حضور یقیناً یہ کلمہ کلید باب جنت ہے لیکن کنجی دندانے دار ہونی چاہیئے اگر تمام لوگ یہ بشارت سن لیں گے تو عمل سے غافل ہو جائیں گے۔ حضورؐ نے ان کی رائے پسند فرمائی اور ابوذرؓ کو روک دیا۔ اب اکثر پوچھنے والے یہ پوچھیں کہ ایمان پر اتنا زور دیا گیا ہے تو آخر اس کا کیا فائدہ ہے اور سب کچھ ہو لیکن ایمان نہ ہو تو اس سے کیا نقصان ہے۔ اس سوال کا جواب قرآن کی زبان سے سنو۔ سورۂ حدید کی ستائیسویں آیت ہے۔ یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ و آمنوا برسلہ یوتیکم کفلین من رحمتہ و یجعل لکم نورا تمشون بہ و یغفر لکم واللہ غفور رحیم ہ

"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اسکے رسول پہ ایمان لاؤ تم کو اللہ اپنی رحمت سے دو حصے دے گا اور تمہارے ساتھ ایسا نور کر دیگا جس سے تم چلو گے تم کو بخشدیا جائیگا اور اللہ نہایت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے"

معلوم ہوا کہ اللہ پہ ایمان لانے اور اس سے ڈرنے سے اس کی رحمت کا ایک حصہ ملیگا اور پھر اسکے رسول پہ ایمان لایا تو رحمت کا دوسرا حصہ بھی ملیگا۔ اسلئے کہ رسول رحمت عالم ہیں ادھر سے بھی رحمت ادھر سے بھی رحمت اب جو رحمت ملی تو سنگل

ہیں ڈبل ملی اور تمہارے ساتھ نور کر دیا گیا کہ اسکی روشنی میں چلو تاکہ کہیں اُچکنے تم کو جو رحمت کے دو حصے ملے ہیں چھین نہ لیں۔ قرآن میں حضور کو بھی نور کہا گیا ہے۔ اور قرآن کو بھی نور کہا گیا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ تمہارے نبی تمہاری جان سے زیادہ قریب ہیں۔ تو قرآن کا نور سینے میں اور حضور پر نور تمہاری جان سے زیادہ نزدیک۔ یہ دونوں نور پوری قوت سے ضیا پاشی کر رہے ہیں اردگرد آگے پیچھے۔ ظلمت کا نام ونشان نہیں ہے ہر طرف روشنی ہی روشنی ہے اب تمہارے ایمان کو کوئی اندیشہ نہیں۔

سورہ نساء کی پانچویں آیت میں یہ بشارت بھی ہے کہ "من یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنت تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا وذالک الفوز العظیم"

"جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے وہ جنت میں داخل کیا جائے گا جسکے تحت نہریں رواں ہونگی اور اس جنت میں وہ ہمیشہ رہے گا یہ سب سے بڑی کامیابی ہے"

ایمان کی دولت نصیب ہوئی تو رحمت نے آغوش میں لے لیا نور نے بھٹکنے سے بچالیا سیدھا جنت میں داخل ہو گئے جہاں پہونچکر ساری نعمتیں مل گئیں۔ اور وہاں جو دودھ کی نہریں جاری وساری ہیں اور پھر یہ خلود دائمی ہے عارضی نہیں اس سے بڑھکر کیا کامیابی ہوگی۔ سورہ احزاب کی آیت ۷۱ میں اسکو فوز عظیم کہا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما۔

پھر سورہ نور میں ارشاد ہوتا ہے ومن یطع اللہ ورسولہ ویخش اللہ ویتقہ فاولئک ھم الفائزون۔

اس صلاح وفلاح میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ منعم حقیقی تو دونوں جہاں سے بے نیاز

(واللہ غنیُّ عن العالمین) تم محتاج ہو وہ غنی ہے تم لینے والے ہو وہ دینے والا ہے۔ اس کی جانب سے جو ہدایتیں دی جارہی ہیں وہ تمہارے لئے فائدہ کے لئے ہیں یہ اسکی بندہ نوازی ہے۔ کرم گستری ہے کہ اس نے کھول کھول کر تمہارے فائدہ کی ساری باتیں بتادیں اور یہ بھی واضح کردیا کہ ان ہدایتوں پر تم عمل کرنا نہ چاہو تو تم پر جبر نہیں۔ واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا فان تولوا فاعلموا انما علی رسولنا البلاغ المبین (سورہ مائدہ) اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو نافرمانی سے بچو لیکن اگر تم روگردانی کرو تو خوب سمجھ لو کہ ہمارے رسول پر صرف احکام پہونچا دینا ہے ؎ بر رسولاں بلاغ باشد و بس

لہذا تم کو تاکید کی گئی کہ یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تولوا وانتم تسمعون ۔ (سورۂ انفال)

اے ایمان والو اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو اور سنتے ہو کبھی ان دونوں کی اطاعت سے انحراف نہ کرنا بلکہ ان کی اطاعت کرکے اپنے ایمان کا ثبوت دینا۔

واطیعوا اللہ ورسولہ ان کنتم مومنین (سورۂ انفال آیت ۱) بلکہ اگر تمہارے مابین کوئی نزع پیدا ہو تو اس کو بھی اللہ اور اسکے رسول سے رجوع کرنا۔

یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فاذا تنازعتم فی شیئٍ فردوہ الی اللہ ورسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر ذالک خیر واحسن تاویلا (سورۂ نساء آیت ۴۸) اگر ایسا نہ کروگے تو تمہارا شیرازہ بکھر جائے گا اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی ایسے موقع پر صبر سے کام لینا اور یقین رکھنا کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

واطیعو اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذہب ریحکم

واصبروا ان اللہ مع الصابرین (سورۂ انفال آیت ۴۶)
اور سب سے آخر میں یہ بشارت بھی سن لو کہ تم رسول کی اتباع کروگے تو خدا کے محبوب ہوجاؤگے اور تم کو مغفرت کا پروانہ مل جائے گا۔ اپنے محبوب سے یہ اعلان کرنے کا حکم ہوتا ہے کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفورٌ رحیم (سورہ آل عمران آیت ۳۱)
اے حبیب آپ اعلان فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی معاف کردیگا وہ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

معلوم ہوا کہ سید عالم محبوب رب العالمین کی اتباع کرنے والا اللہ کا محبوب بن جاتا ہے اس کی تمام خطائیں اور لغزشیں درگذر کردی جاتی ہیں یہی نہیں بلکہ اتباع کرنے والا آغوش رحمت میں آجاتا ہے فوز و فلاح کی اس سے بڑھکر اور کیا صورت ہوسکتی ہے۔ مولانا آزاد کے الفاظ میں "نظام شمسی کی طرح نظام انسانی کے بھی مرکز ہوتے ہیں۔ ہر عہد اور دور میں خدا کے چند بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کا وجود ستاروں کی طرح تمام انسانوں کا مرکز محبت و کعبہ انجذاب ہوتا ہے اور جس طرح نظام شمسی کا ہر متحرک ستارہ صرف اسلئے ہے کہ کعبۂ شمس کا طواف کرے۔ اسی طرح انسان کے گروہ اور آبادیوں کے ہجوم بھی صرف اسلئے ہوتے ہیں کہ اس مرکز انسانیت کا طواف کریں زمین والوں پر ہی موقوف نہیں آسمانوں میں بھی صرف انہی کے ناموں کی پکار ہوتی ہے۔ بخاری کی اس حدیث کو معلوم نہیں تم نے کیا سمجھا وہ تو صرف اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اذا احب اللہ عبدا قال لجبریل انی احب فلانا فاحبہ فیحبہ ثم ینادی جبریل فی اھل السماء ان اللہ قد احبّ

فلانا فاحبوہ فیحبہ اصل السماء ثم یضع لہ القبول فی الارض

یعنے جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل کو سے فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اسکو دوست رکھو پس جبرئیل اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر وہ آسمان والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے کو دوست رکھتا ہے لہذا تم بھی اسکو دوست رکھو تو آسمان والے اسکو دوست رکھنے لگتے ہیں پھر زمین والوں کے دل میں اس کی محبت کے لئے کھل جاتے ہیں اور ہر طرف مقبولیت اور محبوبیت اسکو حاصل ہوتی ہے

اب ایسے بندہ کی محبوبیت کا صور اس طرح پھونکا جائے کہ سننے والے کسی کو محبوب سبحانی کسی کو محبوب الٰہی کسی کو معشوق ربانی پکارتے لگیں۔ اور کوئی ایسا برگزیدہ بندہ دنیا سے رخصت ہو جائے تو اسکی پیشانی پر خط نور یہ تحریر ابھر آئے کہ ھذا حبیب اللہ مات فی حب اللہ تو محبت کا کیا مقام ہے۔ اللہ اور اسکے رسول کے پروانے آتش محبت کے سوز و گداز سے خود شمع بن گئے اور ساری دنیا ان کی پروانہ بن گئی۔ یہ سارا ربط نسبت و محبت کا کرشمہ ہے۔ مولانا کاملؔ نے نسبت غوث جیلانی میں کیا خوب فرمایا ؎

کہاں یہ تجادیا مجھکو ترے داغ غلامی نے ❊ میرے قدموں میں دارائی مری ٹھوکر میں سلطانی
محبت نے مرے دامن کو باندھا کس کے دامن سے ❊ میں اک بندہ کمینہ اور وہ محبوب سبحانی

۳۔ محبت کا یہ بھی مقتضا ہے کہ اتباع اور اطاعت کی جائے المحبُّ لمن یحبُّ مطیع چاہنے والا جس کو چاہتا ہے اس کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے محبت کا ثبوت محبوب کی اتباع اور اطاعت سے ہوتا ہے۔ جیسے گذر چکا ہے۔ محبت کے بعد اطاعت ہے اور محبت سے پہلے ایمان ہے محبت ہوگی تو اطاعت اور عمل صالح کی

کی نوبت آئے گی۔ محبت اطاعت اور عمل صالح پر مقدم ہے اور پھر محبت کی بنیاد ایمان ہے۔ محبت سے ایمان کا پتہ چلے گا۔ اطاعت اور عمل صالح سے محبت کی نشاندہی ہوگی۔ تو دیکھو قرآن مجید میں سب سے پہلے ایمان پر زور دیا گیا ہے۔ اسکے بعد عمل صالح کی تاکید ہے۔ پہلے آمنوا ہے تو پھر عملوا الصالحات ہے۔ اللہ تعالیٰ محب ہے اور سید عالم محبوب ہیں۔ اس کا مقتضا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی اتباع اور اطاعت کی تاکید کی اور آپ کی اطاعت کو عین اپنی اطاعت قرار دیا۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ اور تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ حضور محب ہیں اور اللہ محبوب ہے لہذا اس جہت سے نہ صرف آپ طاعت الٰہی میں سعی بلیغ فرماتے تھے بلکہ اپنی امت کو بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کی کامل پیروی کی تاکید فرماتے تھے انا فتحنا لك فتحا مبینا لیغفر لك اللہ ما تقدم من ذنبك وما تاخر کی بشارت کے باوجود تمام رات کھڑے ہو کر مصروف نماز اور آپ کے قدم مبارک کو متورم دیکھ کر جب اصحاب نے آپ سے پوچھا کہ حضور اتنی مشقت کیوں اٹھا رہے ہیں جبکہ آپ معصوم عن الخطا ہیں اور آپ کے صدقہ میں آپکی امت کے بھی گناہ بخش دئے گئے ہیں تو ارشاد ہوا افلا اکون عبدا شکورا۔ کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں۔ اور ادھر اللہ تعالیٰ نے یہ مژدہ بھی سنا دیا کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ میرے محبوب آپ اعلان فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ کو چاہتے ہو اس سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اور اگر ایسا کروگے تو تم بھی اللہ کے محبوب ہو جاؤگے۔

لہذا اے محبوب رب العالمین کی محبت کے دعویدارو اپنے اس دعوے کو اپنے اور خدا کے محبوب کی اتباع کے ذریعہ ثابت کرو۔ تمہارے لئے یہی صراط مستقیم ہے جبیر

چل کر تم رحمت الٰہی اور رحمت رحمۃ العالمین کے مستحق ہو جاؤ گے۔

۴۔ محبوب کی محبت کو اپنی اذیت سمجھنا اور اس کے چہرہ پہ حزن وملال کو آتا دیکھ کر اس کی دل جوئی کرنا اور تسلی دینا بھی مقتضائے محبت ہے۔ حسب ذیل آیات سے واضح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو کس کس انداز میں تسلی دی

ارشاد ہوا لعلک باخع نفسک ان لم یکونوا مومنین (شعراء)

شاید آپ اپنی جان کو ہلاک کر بیٹھیں گے اسلئے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائے۔ یعنے آپ کو کفار کے ایمان نہ لانے پہ دل گیر ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان کے ایمان نہ لانے کی پرواہ نہ کیجئے۔

یا ایھا النبی حسبک اللہ و من اتبعک من المومنین

(الانفال آیت ۶۲)

"اے نبی آپ کیلئے اللہ اور ایمان لانے والوں سے وہ لوگ جنہوں نے آپ کی اتباع کی کافی ہے"

واصبر وما صبرک الا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون (النحل آیت ۱۲۶)

"آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر بھی ہے کہ اللہ پہ اس معاملہ کو چھوڑ دیں انکے انکار پہ ملول نہ ہوں اور ان کے مکر و فریب پہ تنگ دل نہ ہوں"

یا ایھا الرسول لا یحزنک الذین یسارعون فی الکفر من الذین اٰمنا بافواھھم ولم تؤمن قلوبھم (المائدہ آیت ۴۱)

"اے رسول آپ کو وہ لوگ جو سرعت کفر میں کوشاں ہیں مبتلائے حزن نہ کریں ان میں ایسے بھی ہیں جو اپنی زبان سے کہدیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ

وہ دلوں سے ایمان نہیں لائے۔

والذین یؤذون رسول اللہ لھم عذاب الیم (التوبہ آیت ۶۱)

جو لوگ رسول اللہ کو اذیت دیتے ہیں انکے لئے دردناک عذاب ہے۔

لا یحزنک قولھم ان العزۃ للہ جمیعًا ھو السمیع العلیم (یونس آیت ۶۴)

"آپ ان کے اس قول پر غمگین نہ ہوں کہ ساری عزت خدا ہی کیلئے ہے وہ سُن رہا ہے اور بہت جاننے والا ہے۔

قل ان العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین (سورۂ منافقون)

"آپ کہہ دیجئے کہ بیشک ساری عزت اللہ کے لئے اور اسکے رسول کیلئے اور ایمان والوں کے لئے ہے"

وان تکذّبوا فقد کذب امم من قبلکم وما علی الرسول الا البلاغ المبین۔ (عنکبوت آیت ۱۷)

"(اے کافرو) اگر تم جھٹلاؤ تو (یہ نئی بات نہیں) تمہارے پیشتر بھی اگلی امتوں نے اسی طرح جھٹلایا اور اچھی طرح سمجھ جاؤ کہ رسول پر صرف صاف صاف احکام پہونچا دینا ہے"

وماکان علی النبیّ من حرج فیما فرض اللہ لہ سنۃ اللہ والذین خلوا من قبل وماکان امر اللہ قدرًا مقدورا۔ (احزاب آیت ۳۱)

"اور نبی پر اس بارے میں جن کو اللہ نے فرض کیا کوئی حرج نہیں یہ اللہ کی سنت جاریہ ہے جو پہلے لوگوں میں بھی رہی اور اللہ کا ہر کام ایک معین طریق پر ہوتا ہے"

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم فان تولوا فقل حسبی اللہ لا الہ الا ہو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم (التوبہ آیت ۱۳۲)

"یقیناً تمہارے پاس تم میں سے رسول آیا جس پر وہ چیز جس سے تم کو تکلیف ہو گراں گذرتی ہے وہ تم پر حریص ہے اور ایمان والوں کے ساتھ رؤف رحیم ہے۔ اے حبیب اب کوئی روگردانی کرے تو فرما دیجئے کہ مجھے اللہ کافی ہے میرا اسی پر بھروسہ ہے وہ بڑی قوت اور حکومت والا ہے۔

۵۔ محبوب کو زحمت سے بچانا بھی مقتضائے محبت ہے اس سلسلہ میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام پہ نماز عصر قربان کر دینا سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا آپ کی استراحت پہ اپنی جان کی پروانہ کرنے کی مثالیں پیش ہو چکی ہیں یہ بھی گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی اذیت کو اپنی اذیت کے مترادف قرار دیا ہے۔ اذیت تو اذیت حق تعالیٰ نے اپنے محبوب کی زحمت بھی گوارا نہ کی شوق عبادت میں سید عالم تمام رات نماز میں گذارتے لگے یہاں تک کہ دونوں پاؤں متورم ہونے لگے ذات باری کو اپنے محبوب کی یہ زحمت گوارا نہ ہوئی ارشاد ہوا یایھا المزمل قم الیل الا قلیلا نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد علیہ ورتل القران ترتیلا۔

"اے کملی اوڑھنے والے پیارے حبیب رات کو نماز کے لئے قیام فرما رات کے آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ کرو اور قرآن کو ترتیل سے پڑھو یعنی اس کو بھی غلبہ شوق میں جلد جلد نہ پڑھو جس سے بار گذرے۔

حضور کی یہ بھی عادت تھی کہ جب وحی اترنے لگتی تو آپ جلد جلد اس کو دھراتے

جاتے تاکہ اچھی طرح یاد ہو جائے۔ اپنے محبوب کے لیے نازک کو اس طرح جلد جلد بلانا بھی نا اللہ وحی کو ناگوار گذرا ارشاد ہوا لا تحرك به لسانك لتعجل به انا علینا جمعه وقرانه۔

"آپ جلدی جلدی اپنی زبان کو حرکت نہ دیں وحی کے ذریعہ بھیجی ہوئی آیات کو آپ کے حافظہ میں جمع کرنا اور پھر اس کو پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔

سورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہوا ما انزلنا علیك القرآن لتشقی۔

ہم نے قرآن آپ کو مشقت میں ڈالنے کے لئے نہیں اتارا۔

ان قرآنی شواہد سے عیاں ہوا کہ ذات باری کو اپنے محبوب کی خفیف سے خفیف زحمت گوارا نہیں ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ما ننسخ من آیة او ننسها نات بخیر منها او مثلها الم تعلم ان اللہ علی کل شئی قدیر۔

"کوئی آیت ہم منسوخ کر دیں یا بھلا دیں (تو آپ فکر مند نہ ہوں) ہم اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے"

قرآن پڑھتے جاؤ جا بجا حضور کی خاطر داری اور خاص رعایت نظر آئے گی جس سے آپ کی کمال محبوبیت کا اظہار ہوتا ہے۔

منفی پہلو

آپ نے اطاعت اور محبت کرنے والوں کا حال دیکھ لیا اب اطاعت و محبت سے گریز اور نافرمانی کا انجام بھی دیکھئے۔

ارشاد باری ہوتا ہے ومن یعص اللہ ورسوله ویتعد حدوده یدخله خالدین فیها وله عذاب مهین (نساء آیت ۸۳)

"اور جو اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کے حدود سے تجاوز کرے وہ ہمیشہ کیلئے دوزخ میں ڈالدیا جائیگا اور اس کے لئے دردناک عذاب ہے"

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او تصیبھم عذاب الیم۔

چاہیئے کہ وہ لوگ جو حکم رسول کے خلاف کرتے ہیں ڈریں کہ وہ اس دنیا میں فتنہ میں مبتلا ہوں یا وہ آخرت میں دردناک عذاب میں مبتلا ہوں۔

سورۂ مائدہ کی آیت ۶۲ حسب ذیل ہے۔

ان جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادًا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ذلک لھم خزیٌ فی الدنیا ولھم فی الاٰخرۃ عذابٌ عظیم۔

یقیناً ان لوگوں کو جو اللہ اور اسکے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے کی کوشش کرتے ہیں یہ ہے کہ یہ قتل کر دئے جائیں یا دار پر کھینچ دئے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں یا انکو اسی سرزمین سے باہر کر دیا جائے یہ تو ان کی دنیا میں سزا اور بربادی ہوئی اسکے علاوہ ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

سورہ توبہ کی آیت ۶۴ میں ارشاد ہوتا ہے الم یعلم انہ من یحادد اللہ ورسولہ فان لہ نار جھنم خالدا فیھا ذلک الخزی العظیم۔

کیا یہ نہیں جانتے کہ جو اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کرتے ہیں تو اس کی سزا آتش جہنم ہے جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑا رسوا کن عذاب ہوگا۔

یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ ومن یشاقق اللہ ورسولہ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا۔

"اور جو اللہ اور اسکے رسول سے مناقشہ اور ایمان والوں کی راہ کے علاوہ راہ کی پیروی کریں تو ہم اس کو دوزخ میں پہونچا دینگے جو بڑا ٹھکانہ ہے"

ان مثبت اور منفی پہلوؤں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ اور اسکے رسول کی محبت و اتباع کا ثمرہ فوز و فلاح اور خلود فی الجنۃ ہے اور اللہ اور اس کے رسول سے سرتابی کا انجام تباہی، بربادی اور خلود فی النار ہے۔

سورۂ دہر میں ارشاد ہوتا ہے۔ انا ھدینٰہ السبیل اما شاکرا واما کفورا۔

ہم نے انسان کو دونوں راہیں بتا دی ہیں اور اسکو اختیار دیدیا گیا ہے کہ چاہے تو وہ شکر گذاروں کا راستہ اختیار کرے یا چاہے تو کفران نعمت کی راہ اختیار کرے۔

انسان کو اس طرح بھلائی اور برائی کے دوراہے پر کھڑا کر دیا گیا ہے اب جنکے دل میں کھوٹ ہے وہ صراط مستقیم کو چھوڑ کر غلط راستہ اختیار کرتے ہیں اور اللہ کے نیک بندوں کے راستہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ سورۂ فاتحہ میں یہ دعا مانگنے کی تعلیم ہے کہ اے اللہ ہم کو سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق و ہدایت دے اور پھر یہ صراحت کر دی کہ یہ صراط مستقیم اللہ کے ان نیک بندوں کی راہ ہے جن پر اللہ نے اپنی نعمتیں انڈیل دی ہیں۔

اور سورۂ نساء میں وضاحت ہے کہ من یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصلحین وحسن اولئک رفیقا۔

جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگا تو اسکو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صلحاء کی معیت حاصل ہوگی۔ معیت سے بڑھکر کونسی نعمت اور رفاقت ہو سکتی ہے۔

فضیلت و عظمت

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور عظمت کا اظہار قرآن مجید میں مختلف انداز سے کیا گیا ہے۔ اس کی ابتداء میثاق ازل سے ہوتی ہے۔ ایک عہد اللہ عزوجل کی ربوبیت کا تھا جو تمام ارواح اولین و آخرین سے لیا گیا۔ ان ارواح سے مخاطب ہو کر پوچھا گیا الست بربکم کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں قالوا بلیٰ کے ذریعہ سب نے اثبات میں جواب دیا۔ دوسرا عہد خصوصی توحید کا تھا جو انبیاء و رسل سے لیا گیا۔ اسکی صراحت سورۂ آل عمران آیات ١٥٥ تا ١٥٧ میں یوں مذکور ہے۔

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ۔ قال ءاقررتم واخذتم علیٰ ذالکم اصری۔ قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشاھدین۔

یعنی یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا کہ جو میں نے تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائیں تمہارے پاس رسول جو تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائیں تو ضرور تم ان پر ایمان لانا اور ضرور ضرور ان کی مدد کرنا۔ پھر پوچھا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کیا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہی میں ہوں۔ جب انبیاء کرام سے سید عالم پر ایمان اور مدد کے لئے اقرار لیا گیا تو انبیاء نے اپنی قوموں سے اس قسم کا عہد لیا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ حضرت آدم اور انکے

بعد جس کبھی نبوت عطا فرمائی اس سے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عہد لیا۔ اور ان انبیاء نے اپنی قوموں سے عہد لیا کہ اگر ان کی حیات میں سید الانبیاء مبعوث ہوں تو آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی نصرت کریں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور سب انبیاء سے افضل ہیں۔ انبیاء سے جو عہد لیا گیا اس کی اہمیت کا اظہار اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ اس کا گواہ ہوا۔

سورہ نساء میں یہ آیت بھی ملتی ہے کہ وارسلنٰک للنّاس رسولاً وکفٰی اللہ بک شہیدا۔

"یعنی ہم نے آپ کو تمام عالم انسانیت کی جانب رسول بنا کر بھیجا ہے اور آپ کی اس رسالت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔"

سورۂ منافقون کی ابتدائی آیات بھی آپ کی عظمت پر شاہد ہیں۔ ارشاد باری ہوتا ہے کہ اذا جاءک المنافقون قالو نشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ واللہ یشھد ان المنافقون لکاذبون۔

اے حبیب جب آپ کی بارگاہ میں منافق حاضر ہوتے ہیں تو عرض کرتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ اُسکے رسول ہیں۔ لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق بلاشک وشبہ جھوٹے ہیں۔

اللہ جسکی رسالت کی گواہی دے اس رسول کی عظمت کیا ہوگی۔ اب حشر کے روز کیا ہوگا اس کا حال بھی مالک یوم الدین سے سنو ارشاد ہوتا ہے۔ یوم نبعث من کل امۃ شہیداً علیھم من انفسھم وجئنا بک شہیداً علےٰ ھٰؤلاء (سورۂ نحل آیت ۸۸)

اس روز تمام انبیاء گواہی دیں گے کہ ہم نے پیام الٰہی اپنی اپنی امت کو پہونچا دیا

لیکن ان کی امت کے انکار پر سید عالم گواہی دیں گے اور تصدیق فرمائیں گے کہ ان انبیاء نے جو کچھ پیام ان کو پہونچانے کا حکم دیا تھا پہونچا دیا۔ ان سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔ اس طرح انبیاء نے آپ کی نبوت کا اقرار کیا تو آپ نے بھی ان کی تبلیغ احکام خداوندی کی شہادت ادا فرمائیں گے۔ اس اقرار اور شہادت سے معلوم ہوا کہ آپ شاہد بھی ہیں مشہود بھی۔ آپ کی فضیلت کے ساتھ یہ بھی وضاحت ہوگئی کہ آپ کی رسالت کا اقرار تمام انبیائے سابقین کی نبوت کا اقرار ہے۔

"فضائل و مقامات اور قصص و حکایات مناقب و برکات میں جو کچھ قرآن حکیم نے بیان کیا ہے یا جو کچھ صدق لسان و تحقیق بیان کے ساتھ اس بارے میں کہا جائے گا وہ گو بلاواسطہ دوسروں کی حکایت ہو مگر بالواسطہ اسی وجود اجمع و اکمل سے ہوگی اور جب کبھی خاص اس وجود کی جامعیت کی نسبت کہا جائے گا تو گو اس میں دوسروں کا ذکر نقلاً نہ آئے لیکن حال یہ ہوگا کہ گویا انبیاء و مرسلین بلکہ نوع انسانی کے تمام افراد فضیلت اور جماعت من انعم اللہ علیہم کے تمام اختصاص مراتب و کمال میں سے ایک ایک فرد کا ذکر کیا گیا اور وہ سب کچھ سمیٹ لیا جو ان کے بارے میں کہا جا سکتا تھا۔ جب باغ و چمن کا نام لیا تو گو تم نے نہ ان کا نام لیا نہ انکی رنگت و بو کا نہ نہروں کا ذکر کیا ہو نہ ان کی نظارت و رونق کا لیکن خود بخود ان سب کا ذکر آگیا اور اس ایک نام کے ساتھ وہ سارے نام لے لئے گئے۔ اور جب تم نے کہا تختہ گل یا ہوائے عطر بیز نظارہ انہار و اشجار بنفشہ و سنبل و یاسمین تو اب تم باغ و چمن کا نام لو یا نہ لو مگر اس کا نام تو نے ان ناموں میں سے ہر نام کے ساتھ لے ہی لیا اور گو بظاہر ذکر بنفشہ و سنبل اور اشجار و انہار کا تھا مگر فی الحقیقت ذکر ان سب کا نہیں بلکہ صرف ایک ہی حقیقت جامعہ کا تھا یعنے باغ و چمن کا۔ مولانا کے اشارات اس نام کی نسبت از یں لطیف و پر ذوق واقع ہوتے ہیں۔ از آں جملہ

کیا خوب کہا۔

نام احمد نام جملہ انبیاء ٭ چوں تو صد گفتی نود ہم پیش ما

اس حقیقت کی توضیح مولانا آزاد نے کیا خوب انداز سے فرمائی ہے کہ۔

"جب سو کہدیا تو اب ایک سے ننانوے تک جو کچھ ہے سب آگیا۔ اور جب کہا ایک دو دس پچاس تو فی الحقیقت ذکر سو ہی کا ہوا۔ قرآن حکیم میں یا احکام ہیں یا مواعظ و حکم میں یا شرح قوانین ہدایت اور ضلالت اور یا پھر قصص الاولین تو معلوم ہے کہ اگر احکام ہیں تو اسی شریعت کے جس کا حامل سید المرسلین ہے۔ مواعظ و حکم ہیں تو وہی ہیں جنکی عملی تصویر و اسوہ کاملہ وجود سید المرسلین ہے۔ قصص میں تو ان ہی فضائل و مراتب کے جو سب کے سب مرتبۂ جامعیت محمدی میں بوجہ اتم و اکمل جمع ہو گئے ہیں۔ پس اگر حضرات صوفیاء کرام نے تمام قرآن کو اس ایک حسن اکمل و جمال بے ہمتا کی حکایت شمایل و شرح سراپا کہا تو تملیح نظر فسحت میدانِ اشارات کے ویسے بھی یہ کیوں موجب قدح و شک ہو۔ حق یہ ہے کہ قرآن اور صاحب سنت کی باہمی یگانیت و اتحاد کے باب میں جو کچھ بھی اور جس قدر بھی کہا جائے اس سے بہت کم ہے۔ جسقدر کہنا چاہیئے۔ وللہ در ما قال

مَا شِئْتَ قُلْ فِیْہِ فَاَنْتَ مُصَدَّقٌ

فَالْحُبُّ یَقْضِیْ وَالْمَحَاسِنُ تَشْھَدُ

حضور کی صفات، کمالات و فضائل کا کون احاطہ کر سکتا ہے آپ سراپا رحمت و نعمت ہیں اور ایسی نعمت کہ جس کو عطا کر کے منعم حقیقی نے مومنوں پر احسان جتایا ہے۔ جس طرح تمام سمندروں کا پانی روشنائی بن جائے تب بھی حق تعالیٰ کے ساری صفات کی کتابت کے لئے ناکافی ہو اور سمندر سوکھ جائیں اور صفات و کلمات الٰہی کی تفصیل باقی رہ جائے۔ جیسا کہ سورۂ کہف میں ارشاد ہوا۔ لوکان البحر مداداً لکلمات اللہ

لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات اللہ ولو جئنا بمثلہ مددا۔

اسی کے مانند دوبارہ سارے سمندروں کا پانی روشنائی بن جائے تو وہ بھی ناکافی ثابت ہوگا۔ اسی طرح سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر منعم حقیقی نے اپنی جو نعمتیں انڈیل دی ہیں۔ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا جس طرح ساری نعمتیں آپ پر ختم کر دی گئی ہیں اسی طرح سارے فضائل بھی آپ کی ذاتِ اقدس میں یکجا کر دی گئی ہیں۔ ان فضل اللہ علیک کبیرا کے ذریعہ اس فضل کو فضل کبیر بتایا گیا ہے۔ اس کے برعکس دنیا کی ساری نعمتوں کو قل متاع الدنیا قلیل کے ذریعہ قلیل بتایا گیا ہے۔ اس قلت کے باوجود ان دنیوی نعمتوں کا شمار ناممکن ہے تو فضل کبیر کا کون احصاء کر سکتا ہے۔ نعایم اور فضائل کا یہ وہ سمندر ہے جس کا کوئی ساحل نہیں۔ اگر کوئی ان کو ضبط تحریر میں لانا چاہے تو تمام عمر ختم ہو جائے اور بالآخر یہ معلوم ہو کہ جو کچھ لکھا وہ اس سمندر کے پانی کا ایک بوند بھی نہ تھا۔ تمام اوصاف کا احاطہ تو کجا ایک وصف بھی پورا نہ لکھا جا سکے۔

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ؛ ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

قرآن مجید کے تیسرے پارہ کا آغاز ان آیات سے ہوتا ہے تلک الرسل فضلنا بعضھم علٰی بعض منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجات۔

ہم نے رسولوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ ان کے منجملہ کسی سے اللہ نے کلام کیا اور کسی کے درجوں کو بلند کر دیا۔

کسی رسول سے کلام کرنے کا اشارہ حضرت موسیٰ کی جانب ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا وکلم اللہ موسیٰ تکلیما چنانچہ حضرت موسیٰ "کلیم اللہ" کے لقب سے ممتاز ہوئے۔ اور درجوں بلند کرنے کا اشارہ، افضل النبیین، محبوب رب العالمین، خاتم المرسلین

کی جانب ہے۔ تمام مفسرین کا اجماع صراحتاً نام نہ لینے اور اشارہ کنایہ پر اکتفاء کرنے سے اس طرز کلام کی بلاغت اور بڑھ گئی۔ بمصداق الکنایۃ ابلغ من الصراحۃ صراحت نہ ہونے کے باوجود تمام اذہان سید عالم کی جانب رجوع ہو گئے کہ اس مینار عظمت پر کسی اور کی رسائی نہیں۔ یہ کلام الٰہی کا اعجاز ہے کہ صراحت نہ کرنے کے باوجود صراحت ہو گئی۔ سورہ الم نشرح میں ورفعنا لک ذکرک کی آیت نے اس کھلے راز کو اور فاش کر دیا کہ ؎ بمقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ

حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے ؎ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کے ذریعہ حضور انور کی فضیلت کو مختصر لیکن جامع انداز میں بیان کر کے گویا دریا کو کوزے میں بھر دیا۔ اور ساری کائنات کو بتا دیا خدا کے بعد اگر کوئی بزرگ ترین ہستی ہے تو وہ ذات سرور دو عالم ہے۔

بلغ العلےٰ بکمالہ کشف الدجےٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ صلّوا علیہ وآلہ

معراج اور اسکی حقیقت

شب معراج عروج تو گذشت از افلاک
بمقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

ایک زمانہ تھا جبکہ واقعہ معراج کے افہام تفہیم میں اذہان انسانی تگ ودو میں مصروف تھے۔ معراج عالم بیداری میں ہوا یا عالم خواب میں۔ جسمانی تھا یا روحانی یہ کیسے ممکن ہے کہ آن واحد میں ملکوت السموات والارض کی سیر ہو گئی بلکہ عرش تک رسائی ہو گئی اور پھر واپسی بھی ہو گئی۔ زنجیر اسی طرح ہلتی رہی جس طرح روانگی کے وقت ہل رہی تھی۔ بستر بھی اسی طرح گرم رہا۔ ابتداء سے جن کے دماغوں میں کجی تھی انہوں نے تو اس تعجب خیز واقعہ کی خبر سنتے ہی اسکو فسانہ اور من گھڑت قصہ کہدیا لیکن وہ جو صدیقیت کے ارفع واعلیٰ مقام پہ فائز تھا اس نے بغیر کسی تامّل اور غور وفکر کے اس واقعہ کی تصدیق کردی والذی جاء بالصدق وصدّق به اولئك هم المتقون کے ذریعہ صادق ومصداق دونوں کی صداقت پر مہر توثیق ثبت کردی دونوں کو فلاح ونور کی بشارت دیگئی جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا سائنس کے کرشمے اور عجائبات سامنے آتے گئے جو باتیں محیّر العقول تھیں وہ قابل فہم ہوتی جارہی ہیں۔ آج جبکہ چاند کی سطح انسان کے قدموں کے تحت آگئی ہے اسپوتنک اسمیں چار چار چھ چھ انسانوں کو پیاک کرکے داغا جارہا ہے اور ایک سکنڈ میں سیکڑوں کلومیٹر کا فاصلہ طے کرکے کشش ارضی کے دائرہ سے اسپوتنک باہر نکل جارہی ہے۔ زمین کے اطراف ایک دن میں کئی چکر لگائے جارہے ہیں۔ خلائی اسٹیشن قائم ہو رہے ہیں۔ پھر اس اسٹیشن سے زہرہ مشتری، مریخ و زحل کی سیر

کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ آواز کی رفتار سے زیادہ رفتار رکھنے والے طیاروں میں سفر ہو رہا ہے۔ ایسی تیز رفتار ٹرانسمیٹر نصب ہو رہے ہیں کہ ایک لمحہ میں امریکہ سے روس پہ اور روس سے امریکہ پہ زد لگا کر آن واحد میں ان ترقی یافتہ شہروں کو نیست و نابود کر سکتی ہیں۔ تو اب سمجھ میں آگیا کہ ان دماغی کاوشوں کا یہ حال ہے تو ان کے خالق کی قدرت کاملہ کا کیا حال ہوگا۔ اسکے آگے کوئی چیز ناممکن اور محال نہیں ان اللہ علی کل شیئ قدیر لہذا آن واحد میں زمین سے عرش اعظم تک رسائی اور واپسی بالکل ممکن ہے۔ آیت والارض فرشنٰھا۔ یعنی ہم نے زمین کو فرش بنایا کی آیت سے یہ سمجھا جا رہا تھا کہ زمین چپٹی ہے اور اس کو نارنگی کی طرح گول بتانے والوں پر اس خیال سے کہ یہ لوگ آیت قرآنی کا انکار کر رہے ہیں کفر کا حکم لگایا جا رہا تھا لیکن جب زمین کے اطراف انسانوں نے چکر لگانے شروع کئے اور نظر آگیا کہ زمین ایک گول کرہ ہے جو فضاء بسیط میں معلق گھوم رہا ہے تو پہلا نظریہ باطل ہو گیا اور "فراش" کا مفہوم سمجھ میں آگیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ زمین کی سطح ہموار اور ہر جانب انسان کے بود و باش کے قابل بنائی گئی ہے۔ یہ بھی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس کرے پہ بڑے سے بڑے شہر آباد ہیں سر بفلک عمارتیں ہیں لیکن وہ ان سب کو لے کر گھوم رہا ہے اور اسکی گردش کے لئے بھی ایک دائرہ بنا دیا گیا کہ بس اسی کے اندر وہ گھومتا رہے باہر نکلنے نہ پائے۔ جغرافیہ کی اصطلاح میں اس کرہ کی دو گردشیں ہیں ایک محوری گردش اور دوسری مداری گردش۔ محوری گردش سے دن اور رات اور مداری گردش سے موسم میں تبدیلی ہوتی ہے۔ زمین اپنے محور پر چوبیس گھنٹوں میں ایک چکر لگاتی ہے۔ یہ گردش مشرق سے مغرب کی جانب ہوتی ہے اس گردش میں زمین کا جو حصہ آفتاب کے سامنے آنے لگتا ہے وہاں دن ہونے

لگتا ہے اور جو حصہ آفتاب کے سامنے سے اوجھل ہوتے لگتا ہے وہاں تاریکی پھیلنے لگتی ہے۔ اسی گردش کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں جب دن ہوتا ہے تو امریکہ میں رات ہوتی ہے اسلئے کہ امریکہ ہندوستان کے تحت القدم ہے۔ ہندوستان سے امریکہ کی مسافت باعتبار رفتار محوری گردش چوبیس گھنٹوں کی ہے اسلئے امریکہ ہندوستان سے چوبیس گھنٹے پیچھے رہتا ہے۔ ہندوستان میں جمعہ کا دن ہوتا ہے تو امریکہ میں جمعرات کا دن رہے گا۔ اب اگر کوئی قوت ایسی ہو کہ زمین کی محوری گردش کو روک دے اس لٹو کو گھومنے سے اس طرح روک دے کہ وہ اپنے محور پر ہی ٹھیرا رہے۔ حرکت سکون سے بدل جائے تو اب اسکو ساکن کرتے وقت جو ٹائم ہوگا اس کو دوبارہ حرکت میں لانے تک وہی وقت رہے گا۔ پس اگر قادر مطلق کے حکم سے یہ محوری گردش روک دی گئی ہو تو پھر یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ ؎

گئے حضرت پھرے حضرت مٹی گرمی نہ بستر کی
قدم تھا ایک ہی گویا در آمد کا برآمد کا

ردشمس کا معجزہ بھی اسی طرح ظہور پذیر ہوا۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے زانو پر آقائے نامدار آرام فرمارہے تھے عصر کی نماز کا وقت چلا گیا مگر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے یہ گوارا نہ ہوا کہ حضور کو بیدار کریں اور آپ کے آرام میں خلل انداز ہوں۔ سید عالم جب بیدار ہوئے تو دیکھا کہ نماز عصر کا وقت جارہا سورج غروب ہوگیا آپ نے دعا فرمائی کہ الٰہی تیرے نبی کی طاعت میں معروف تھے انہوں نے نماز عصر کو اپنے نبی کے آرام پر نثار کر دیا۔ خدایا ان کے لئے آفتاب پھیر دے تاکہ علی نماز عصر پڑھ لیں۔ ادھر دعا ہوئی ادھر آفتاب مغرب سے نکل آیا اس واقعہ کی توجیہ نہایت آسان تھی لیکن اکثر لوگوں نے ذہن کی نارسائی کی بنا پر اس حدیث کو ضعیف بتادیا اور انہوں نے اس واقعہ کا انکار کر دیا۔ آفتاب کا غروب زمین کی محوری گردش کا نتیجہ تھا۔ زمین مشرق

مغرب کی جانب پلٹ چکی تھی اب اگر اس کرہ کو مغرب سے مشرق کی طرف کسی قدر پھیر دیا گیا ہو جسکے نتیجہ میں سورج دکھائی دینے لگا ہو تو حیرت کی کیا بات ہے۔ قیامت کے دن بھی آفتاب شاید اسی الٹی گردش سے مغرب سے طلوع ہو یا پھر آفتاب ہی کو گردش دیدی جائے۔ قادر مطلق ہر بات پہ قادر ہے۔

الحاصل اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ معراج حالت بیداری میں ہوئی یہ نومی نہ تھی جسمانی تھی۔ پندرھویں پارے کی ابتدائی آیات اس طرح شروع ہوتی ہیں۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من ایاتنا انہ ھو السمیع البصیر۔

پاک اور منزہ ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے گرد وپیش کو ہم نے بابرکت کیا تاکہ ہم اسکو اپنی نشانیاں بتائیں بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

بندہ کا اطلاق روح اور جسد پر ہوتا ہے ورنہ ارایت الذی عبداً اذا صلے کے معنے ہونگے ۔ کیا تم نے وہ روح دیکھی جو نماز پڑھ رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ اس آیت کے معنے نہیں ہو سکتے ۔ جس کا اطلاق روح مع الجسد پر ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ معراج جسمانی تھا۔ لیجانے والا ہر نقص و عیب سے منزہ۔ اس کی قدرت و قوت بھی غیر محدود۔ اگر اپنی اس قدرت و قوت کے ذریعہ اپنے حبیب کو رات کے ایک قلیل عرصہ میں ملکوت السمٰوات والارض کی وہ سیر کرا دے تو اس میں حیرت کی گنجائش نہیں۔ سورہ اسریٰ کی ان آیات کے بعد معراج کے واقعہ کی تفصیل سورہ نجم میں ملتی ہے۔ اس سورہ کی ابتدائی آیات یہ ہیں۔

وَالنجم اذا ھوٰی ما ضل صاحبکم وما غویٰ وما ینطق عن الھویٰ

ان ھو الّا وحیٌ یوحی علّمہٗ شدید القوٰی ذو مرّۃ فاستوٰی
وھو بالافق الاعلٰی ثم دنیٰ فتدلّٰی فکان قاب قوسین
او ادنٰی فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ ماکذب الفواد ما رأیٰ
افتمارونہٗ علٰی ما یریٰ ولقد راٰہ نزلۃ اخرٰی عند سدرۃ
المنتہیٰ عندھا جنّۃ الماویٰ اذ یغشی السدرۃ ما یغشٰی مازاغ
البصر وما طغٰی ولقد رایٰ من آیات ربہ الکبریٰ۔

اے پیارے ستارے محمد کی قسم جب معراج سے اترے تمہارے صاحب نہ بھٹکے نہ بے راہ ہوئے وہ تو وہی کہتے ہیں جسکی وحی ہوتی ہے۔ ان کو بڑی قوت والے نے یہ باتیں سکھائیں۔ پھر آپ نے آسمان کے بلند ترین مقام پر استواء کیا اور وہ جلوہ آپ سے اتنا قریب ہوا کہ جیسے دو کمانیں باہم مل جاتی ہیں بلکہ اس سے بھی نزدیک ہوئے اور تب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف جو وحی کرنی تھی کی اور جو کچھ اس بندے نے اسمیں اس کے قلب نے غلطی نہیں کی۔ جو کچھ انہوں نے دیکھا تھا تم اب اسمیں جھگڑتے ہو۔ ہاں جبرئیل کو دوسری دفعہ ان کی اصلی حالت میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا جسکے قریب جنت الماویٰ ہے۔ جب سدرہ پر چھا گیا جو چھا رہا تھا اس مقام کو ڈھانک لیا تھا۔ اس کے دیکھنے میں نہ نگاہ نے غلطی کی نہ حد سے بڑھی نہ جھپکی بلکہ اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

عام مفسرین نے استویٰ کا فاعل حضرت جبرئیل کو قرار دیا ہے اور یہ معنے لئے ہیں کہ حضرت جبرئیل اپنی اصل صورت میں قائم ہوئے۔ لیکن امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت جبرئیل کو دیکھنا تو صحیح ہے اور حدیث سے ثابت ہے لیکن یہ حدیث میں نہیں ہے کہ اس آیت میں حضرت جبرئیل کو دیکھنا مراد ہے جب کہ

ظاہر تفسیر یہ ہے کہ مراد استویٰ سے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور منزلت رفیعہ استویٰ فرمانا ہے۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ سید عالم نے افق اعلیٰ یعنے آسمانوں کے اوپر استویٰ فرمایا۔ اور حضرت جبرئیل سدرۃ المنتہٰی پہ رک گئے آگے نہ بڑھ سکے اور عرض کیا کہ اگر میں ذرا بھی آگے بڑھیں تو تجلیات جلالی مجھے جلا ڈالے گی ؎

اگر یک سر موئے برتر روم ٭ فروغ تجلی بسوزد پرم

حضور اس مقام سے آگے تنہا تشریف لے گئے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے قرب سے نوازا۔ نزدیک ہونے سے حضور کا عروج الی اللہ اور وصال حق مراد ہے اور اتر آنے سے نزول ورجوع الی الخلق مراد ہے۔ حضرت جعفر صادق رضؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے پیارے کو جو وحی نازل فرمائی وہ بلا واسطہ تھی درمیان میں کوئی واسطہ نہ تھا۔ اللہ ورسول کے درمیان کے اسرار ہیں ان دونوں کے سوا کسی کو اطلاع نہیں۔

علماء نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس شب میں آپ کو جو وحی فرمائی کئی قسم کے علوم تھے۔ ایک تو علم شرائع واحکام جن کی سب کو تبلیغ کی جاتی ہے۔ دوسرے معارف الٰہیہ جو خواص کو بتائے جاتے ہیں۔ تیسرے حقائق ونتائج علوم ذاتیہ جو اخص الخواص کو تلقین کئے جاتے ہیں۔ اور ایک قسم وہ اسرار ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ خاص ہیں ان کا کوئی تحمل نہیں کرسکتا۔ (روح البیان)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلعت اور حضرت موسیٰ کو کلام اور سید عالم کو اپنے دیدار سے امتیاز بخشا۔

کعب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے دو بار کلام فرمایا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دو بار دیکھا۔ (ترمذی)

حضرت حسن بصری قسم کھاتے تھے کہ حضور نے شب معراج میں اپنے رب کو دیکھا۔

حضرت امام احمد نے فرمایا کہ حدیث ابن عباس کا میں قائل ہوں حضور نے اپنے رب کو دیکھا۔ اسکو دیکھا اسکو دیکھا امام یہ فرماتے ہی رہے یہاں تک کہ سانس ختم ہو گئی۔ حضرت موسیٰ نے رب جل وعلا کو دیکھنے کی خواہش کی تھی وحی ہوئی۔ لن ترانی ولکن انظر الی الجبل فاذا استقر مکانہ فسوف ترانی

تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے پہلے تم اسی پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ میرے جلوہ کی تاب لا سکے اور اپنی جگہ پر قرار رہے تو سمجھو تم مجھے دیکھ سکوگے۔ فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسیٰ صعقا جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کی جانب تجلی فرمائی تو وہ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ گیا اور حضرت موسیٰ چیخ مار کر گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے لیکن جب اللہ کے حبیب آگے بڑھے تو اُدن منی اُدن منی مجھ سے اور قریب ہو میرے اور نزدیک آؤ کی ندا آرہی تھی۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کیلئے سوئی کے ناکے کے برابر تجلی ہوئی تھی اور پھر یہ تجلی صفات تھی جس کی وہ اسکی تاب نہ لا سکے اور حضور نے عین ذات کا مشاہدہ اسطرح کیا کہ انکی آنکھ تک نہ جھپکی ؎

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات تو عین ذات می نگری در تبسمے

قصیدہ بردہ میں امام بوصیری نے واقعہ معراج کو یوں بیان کیا۔

سریت من حرم لیلاً الی حرم کما سری البدر فی داج من الظلم
وبت ترقی الی ان نلت منزلۃ من قاب قوسین لم تدرک ولم ترم
وقدمتک جمیع الانبیاء بہا والرسل تقدیم مخدوم علی خدم
حتی اذا لم تدع شاؤ لمستبق من الدنو ولا مرقًا لمستنم
خفضت کل مقام بالاضافۃ اذ نودیت بالرفع مثل المفرد العلم
کیما تفوز بوصل ای مستتر عن العیون وسر ای مکتتم

رفع ذکر کی نعمت

عالم انسانیت کی رہبری کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث ہوئے۔ ان کے منجملہ تین سو تیرہ کو منصب رسالت سے سرفراز کیا گیا۔ لیکن کون آئے؟ کہاں آئے۔ کس سرزمین پہ آئے۔ کس کے لئے آئے۔ کون کونسے صحف آسمانی لے کر آئے بجز چند کے کسی کا پتہ نہیں چلتا۔ منهم من قصصنا عليك ومنهم لم نقصصهم عليك اے حبیب ہم نے بعض انبیاء و رسل کا تذکرہ کیا اور دوسروں کی تفصیلات نہیں بتائیں۔ پھر جن کا ذکر ہوا ان کا دائرہ عمل بھی معین کر دیا۔ جس طبقہ یا علاقہ کے لئے وہ بھیجے گئے اسی حد تک ان کی سرگرمیاں رہیں۔ دوسرے علاقوں اور منطقوں کی ان کو خبر تک نہ ہوئی۔ لیکن خاتم النبیین آئے تو مشرق سے مغرب شمال سے جنوب تک یعنی ساری کائنات میں آپ کی تشریف آوری کا ڈنکا بج گیا بلکہ تشریف آوری کے کئی صدیوں پیشتر ہر دور میں ہر آنے والے نے اپنی اپنی قوم کو خوشخبری سنائی کہ ہمارے بعد آنے والا اس شان کا ہوگا کہ وہ مشرق والوں کا بھی رہنما ہوگا اور مغرب والوں کے لئے بھی رہبر ہوگا۔ اس کا پیام عالمگیر سارے عالم انسانیت کے لئے ہوگا۔ یہی نہیں بلکہ اس کی نبوت کا آغاز اس وقت ہو چکا تھا جبکہ حضرت آدم ہنوز آب و گل میں تھے اور پھر ان کے جنت سے ہبوط کے بعد سے ہی اسی کی دستگیری اور اسی کی وساطت سے حصول مقاصد میں کامیابی کا سلسلہ شروع ہو گیا اسی کے وسیلہ سے حضرت صفی کی دعا اور توبہ قبول ہوئی فتلقى آدم من ربه كلمات فتاب عليه سے یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ اس کا نام لے کر طلب آمرزش و انابت دعا کی تلقین خود اس نے کی تھی جس کے متعلق إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ

الرحیم وارد ہے۔ پھر اسی محبوب ایزدی کی اعانت سے حضرت نجی اللہ نے طوفان سے نجات پائی۔ اور حضرت ایوب کی دعا ربِ انی مسّنی الضر وانت ارحم الرّاحمین بابِ اجابت تک رسائی ہوگئی۔ حضرت خلیل نے خانہ کعبہ کی دیوار بلند کرتے وقت دعا مانگی تھی ربّنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتک ویعلّمھم الکتاب والحکمۃ کہ

"اے ہمارے رب ان ہی میں سے ایک ایسا رسول بھیج کہ ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے"

یہ دعا اس طرح مقبول ہوئی کہ خود حضرت خلیل نے جسکی بعثت کی دعا مانگی تھی اس کے نور کے حامل ہو گئے۔ گذر آیا ہے کہ جب ان کو نمرود کے حکم سے آگ میں پھینکا جارہا تھا تو اس وقت پریشانی اور اضطراب کے بجائے وہ پیکر استقلال بنے ہوئے تھے اور انہیں کامل یقین تھا کہ نور نار پہ غالب ہو کر رہے گا۔ حضرت جبرئیل نے جب پوچھا آلک حاجۃ کیا آپ کو کوئی حاجت ہے تو نہایت اطمینان سے جواب دیا امّا الیک فلا تم سے تو مجھے کوئی حاجت نہیں۔ اس اطمینان قلبی کو دیکھئے کہ نہ صرف حضرت جبرئیل سے مدد نہ مانگی بلکہ دفع شر کے لئے قاضی الحاجات دافع الشرور والبلیّات سے بھی کوئی التجا استدعا نہیں کی بلکہ فرمایا تو یہ فرمایا کہ عِلمہ بحالی یغنینی عن سوالی کہ میرے حال کا اسکو علم ہے جس نے مجھے دستِ سوال دراز کرنے سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس شان واستقلال کا یہ انجام ہوا کہ اس ذات نے حضرت خلیل کو حامل نور محمدی بنایا تھا۔ آتش نمرود کو حکم دیا قلنا یا نار کونی بردًا سلامًا علی ابراھیم کہ اے آگ سرد ہو جا لیکن اتنا سرد نہ ہونا کہ میرے خلیل کو ضرر پہنچے۔ وہ آگ جسکی فطرت جلانا ہے حضرت خلیل کیلئے گلزار بن گئی

نور نے نار پر غلبہ پایا۔ یہ نور حضرت خلیل سے یکے بعد دیگرے صالحین و ساجدین میں منتقل ہوتا رہا۔ اور بالآخر حضرت عبداللہ کی پشت میں منتقل ہوا اور حضرت آمنہ کے پہلو سے بقول حالی مرحوم ؎

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا ٭ دعائے خلیل و نوید مسیحا

حضرت خلیل نے اس آنے والے کے متعلق یہ فرما کر اعلان بھی کر دیا تھا کہ

"وہ عربی ہوگا اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کا ہاتھ اس کے خلاف ہوگا۔"

(۱۶)

اور اس لئے وہ اپنی آزادی کو ہر چیز سے مہنگی خیال کرتے ہوئے اپنے سب بھائیوں کے درمیان بود و باش کرے گا۔ (باب ۳۳ ک ۲)

حضرت کلیم کو سینا کی روشنی میں اس آنیوالے کی جھلک دکھائی دی کو پکار اٹھے۔

ا۔ خدا سینا سے نکلا سعید سے چمکا فاران کے پہاڑوں سے دس ہزار قدسیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوا (پیدائش باب ۱۔۲۲)

بخاری میں ہے کہ سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام فتح پائی کے بعد جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے ساتھ اس وقت دس ہزار اصحاب کرام تھے۔

اس شہادت کے بعد اب کیا کسی اور دلیل کی ضرورت ہے کہ حضرت کلیم نے جو کچھ دیکھا اور دیکھنے کے بعد اسکا اعلان بھی فرمایا وہ سید عالم کے علاوہ کسی اور کے متعلق تھا؟

زبور میں حضرت داؤد کی ان الفاظ میں پیشن گوئی بھی ملتی ہے۔

"مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں بستے ہیں وہ سدا تیری حمد کریں گے وہ بکہ سے گذرتے ہوئے ایک کنواں بناتے ہوئے۔ (زبور باب ۸۴)

حضرت داؤد نے حضور اور آپ کے اصحاب کی مکہ سے مدینہ کو ہجرت کے متعلق

اشاروں اور کنایوں سے کام لیا مگر حضرت حبقوق نبی نے صدیوں پہلے اپنے مشاہدہ کو ان الفاظ میں علانیہ ظاہر فرمایا کہ۔

" اللہ جنوب سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا اسکی شوکت سے آسمان چھپ گیا زمین احمد کی حمد سے بھر گئی۔ (کتاب حبقوق مذکور باب ۳)

اور حضرت یسعیاہ نبی نے اس آنے والے واقعہ کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا کہ

" عرب کے صحرا میں رات کاٹوگے اے ددانیوں کے قافلو! پانی لیکر پیاسے کا استقبال کرنے آؤ' اے تیماء کی سرزمین کے باشندو روٹی لیکر بھاگنے والوں کو ملنے آؤ۔ کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلواروں کھنچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔ (یسعیاہ باب ۲۱)

اور صریح الفاظ میں حضور کا نام لے کر اسطرح پیشگوئی فرمائی۔

" اے سلع کے باشندے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں سے للکاریں گے وہ خداوند کا جلال ظاہر کرینگے "

اسی کتاب کے باب ۴۲ میں ہے کہ

" سلع مدینہ کے ایک پہاڑ کا دامن ہے جہاں سے لوگ اپنی بکریوں کے لئے گھاس لاتے ہیں۔ اب تک یہاں خندق کے نشانات موجود ہیں اور یہ پہاڑ بھی اس نام سے اب تک مشہور ہے۔

حضرت سلیمان جنکو ملکوت السموات والارض کی سیر کرائی گئی اور کائنات کو انکے قبضہ تسخیر میں دیدیا گیا تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا علانیہ نام لیکر ارشاد فرمایا " خلو محمدیم زہ دودی زہ رعی " (تسبیحات سلیمان پ ۵-۱۶)

یعنے وہ ٹھیک محمد ہیں وہ میرے حبیب ہیں میری جان ہیں "

حضرت ملاکی نبی نے فرمایا۔

"وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو۔ ہاں عہد کا رسول جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آئے گا۔ دیکھو وہ یقیناً آئے گا۔ ربّ الافواج فرماتا ہے۔ پر اس کے آنے کے دن میں کون ٹھہر سکے گا اور جب وہ نمودار ہوگا کون کھڑا رہے گا"

(ملاکی نبی کی کتاب باب ۳)

حضور فتح مکہ کے موقع پر اس طرح اچانک مکہ پہونچے کہ صحابہ کی دس ہزار فوج جب مکہ کے سواد میں پہونچی اور رات کو کھانا پکانے کے لئے چولہے روشن کئے گئے تب ابوسفیان اور مکہ والوں کو علم ہوا کہ آپ آگئے۔" متذکرہ صدر پیشین گوئی میں اس واقعہ کے علاوہ جس عہد کا ذکر ہے اس سے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تمام پیغمبروں سے جو عہد لیا گیا کہ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین ان آمنوا بی وبرسولی وتنصرنہ قال أأقررتم قالوا أقررنا قال فاشھدوا انی معکم من الشاھدین۔ اس طرف اشارہ ہے یعنی جب اللہ نے تمام انبیاء سے اقرار و اثق لیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لانا

حضرت کعب احبار، حضرت عبداللہ بن سلام اور دیگر علمائے یہود جب توریت اور انجیل میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف پڑھے اور حضور پر ان اوصاف کا پورا پورا انطباق دیکھا تو مشرف باسلام ہوگئے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر نے توریت سے اوصاف سنے تھے۔ اے نبی ہم نے تم کو شاہد اور بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔ آپ بے پڑھوں کے نگہبان ہیں تم میرے بندے اور رسول ہو میں نے تمہارا نام متوکل رکھا کہ تم بد خلق نہ سخت مزاج نہ بازاروں میں شور مچانے والے تم برائی کا بدلہ برائی سے نہ دوگے بلکہ خطا کاروں کو معاف کروگے۔ خدا اس وقت تک تم کو دنیا سے نہ بلاوے گا جب تک کہ تمہاری برکت سے بگڑے ہوئے دین کو نہ سنبھال دے اور لوگ کلمہ نہ پکارنے لگیں۔ تمہاری برکت سے

قرآن مجید کے سورہ اعراف میں توریت اور انجیل کی اسی بشارت کا حوالہ بدیں اختصار دیا گیا ہے۔

الذین یتبعون النبی الامی یجدونہ مکتوبا فی التوراۃ و الانجیل یامرھم بالمعروف وینھھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم فالذین آمنو وعزروہ ونصروہ واتبعو النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون۔

جو لوگ نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جن کو وہ توریت اور انجیل میں پاتے ہیں جو ان کو نیک کام کا حکم اور بری باتوں سے روکتے ہیں جو ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال اور خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان سے بار اور گمراہی جو ان پہ تھیں اٹھالیتے ہیں۔ پس جو لوگ ایمان لائے ان کی تعظیم و تکریم کرے اور اس نور کی پیروی کی جو ان کے ساتھ اگر تمہاری نجات پانے والا

سورہ صف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ بشارت اور پیشین گوئی بھی موجود ہے

واذ قال عیسی ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ یعنے اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول اور احکام توریت کی تصدیق کرنے والا اور یہ خوشخبری دینے والا بنکر آیا ہوں کہ میرے بعد آنیوالے کا نام احمد ہوگا۔

آرنالڈ Arnald نے اپنی مشہور تصنیف Preaching of Islam میں لکھا ہے کہ " انجیل مقدس میں جو عبرانی زبان میں تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی " فارقلیط " کے آنے کی بشارت تھی اور پھر اس لفظ کی تحقیق کر کے بتایا ہے کہ عربی زبان میں

قرآن مجید کے سورہ اعراف میں توریت اور انجیل کی اسی بشارت کا حوالہ بدیں اختصار دیا گیا ہے۔

الذین یتبعون النبی الامی یجدونہ مکتوبا فی التوراۃ و الانجیل یامرھم بالمعروف وینھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرّم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم فالذین آمنو وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون ۔

جو لوگ نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جن کو وہ توریت اور انجیل میں پاتے ہیں جو ان کو نیک کام کا حکم اور بری باتوں سے روکتے ہیں جو ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال اور خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان سے بار اور گمراہی جو ان پر تھیں اٹھا لیتے ہیں۔ پس جو لوگ ایمان لائے ان کی تعظیم و تکریم کرے اور اس نور کی پیروی کی جو ان کے ساتھ اگر تمہاری نجات پانے والا

سورۂ صف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ بشارت اور پیشین گوئی بھی موجود ہے

واذ قال عیسی ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدّقً لما بین یدیّ التوراۃ ومبشرًا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد ۔ یعنے اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول اور احکام توریت کی تصدیق کرنے والا اور یہ خوشخبری دینے والا بنکر آیا ہوں کہ میرے بعد آنیوالے کا نام احمد ہوگا۔

آرنالڈ Arnald نے اپنی مشہور تصنیف Preaching of Islam میں لکھا ہے کہ " انجیل مقدس میں جو عبرانی زبان میں تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی " فارقلیط " کے آنے کی بشارت تھی اور پھر اس لفظ کی تحقیق کرکے بتایا ہے کہ عربی زبان میں

اس کا ترجمہ "احمد" ہوتا ہے۔
الغرض حضور خاتم النبیین بابی وامی فداہ کی تشریف آوری سے صدیوں قبل سے آپکی رونق افروزی کا صور پھونکا جا رہا تھا۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پانچسو برس پہلے بھی جب دھرم کا نرسنگھا ایران سے چین کی وادیوں تک پھونکتے چلتے ہوئے اس نے دنیا کو کیا وصیت کی تھی۔ "اگرچہ بہت کچھ مٹ چکا ہے لیکن مٹنے سے جو چیزیں رہ گئی ہیں ان میں مہاتما بدھ کا یہ آخری فقرہ اب تک زندہ ہے جبکہ اپنی زندگی ختم کرتے ہوئے خدا کے اس بندہ نے اپنے شاگرد نندا کے کان میں اس وقت ڈالا جب اس کی سانس اکھڑ رہی تھی۔ اور کا یہ مخلص خادم اس کے قدموں کو اپنے آنسوؤں سے یہ کہتے ہوئے دھو رہا تھا کہ آقا آپ کے جانے کے بعد دنیا کو کون تعلیم دے گا۔ بدھ نے اس کے جواب میں کہا نند ا میں پہلا بدھ نہیں ہوں جو زمین پر آیا نہ میں آخری بدھ ہوں۔ اپنے وقت پر دنیا میں ایک اور بدھ آئے گا۔ مقدس، منور القلب، عقل میں دانائی میں پرتیہ مبارک عالم کائنات انسانوں کا عدیم النظیر سردار جو غیر فانی حقائق میں ظاہر کرتا رہا وہ بھی وہی ظاہر کرے گا۔ وہ ایک مکمل اور خالص مذہبی نظام زندگی کی میری طرح تبلیغ کرے گا۔ نندا نے کہا ہم اسکو کس طرح پہچانیں گے۔ آقا نے فرمایا کہ وہ میتریا کے نام سے موسوم ہوگا۔ ۲۶ راکتوبر ۱۹۳۰ء کی اشاعت میں الہ آباد کے مشہور ہندو انگریزی اخبار لیڈر Leader میں ایک بدھسٹ کا یہ مضمون صفحہ سات کالم تین میں شائع ہوا تھا۔ جس میں اس میتریا لفظ کا ترجمہ نامہ نگار مذکور نے لکھا تھا "وہ جس کا نام رحمت ہے۔
الحاصل سرور نبی آدم خاتم النبیین والمرسلین کی عالم ناسوت میں جلوہ گری سے پیشتر ہر دور میں یہ صور پھونکا جا رہا تھا کہ جو سب سے آخری آنے والا ہے وہی مقصد کائنات ہے

ایوَانُ کسریٰ وھومنصدع کشمل اصحاب کسری غیر ملتئم

ری گر پڑا اور پارہ پارہ ہو گیا اور پراگندہ ہوئے کسریٰ کے ساتھی ایکدم

دخامدۃ الانفاس من اسف علیہ والنھر ساھی العین من سدم

رس نے ٹھنڈی سانس لی افسوس سے نہر بھی چشموں کو بھولی از رہ اندوہ و غم

ساوۃ ان غاضت بحیرتھا ورُدَّ واردھا بالغیظ حین ظم

وہ تھے پریشان خشک چشمے دیکھ کر لوٹتے تھے گھاٹ سے غصہ میں پیاسے پرالم

ن تھتف والانوار ساطعۃ والحق یظھر من معنی ومن کلم

جنات نے اتوار بھی پھیلے ادھر نورحق روشن ہوا الفاظ و معنے سے بہم

مداح رسول عربی امیر مینائی نے بھی اپنے مشہور نعتیہ قصیدے میں خوب کہا.

ے ہیں سہ

ے زلزلہ نوشیروان کے قصر کو آیا ٭ عرب میں شور اٹھا جبوقت انکی آمد آمد کا

اور یہ دھوم دھام یہ غلغلہ آپ کے لئے نہ ہوتا تو کس کے لئے ہوتا۔ خود خالق کائنات

ما تھا کہ سب سے اول جسکے نور کا ظہور ہوا اور سب سے آخر میں جسکی جلوہ گری ہوئی

ں وہی مقصود کائنات ہے ازل سے ابد تک اسی کا دور ہے پہلوں نے بھی اسی سے پایا

مت آنے والے اسی سے پائیں گے۔ اللہ معطی انا قاسم اللہ دینے والا اور

اور سیدھا بتھیے۔ اسلئے تو حصول نعمت کے لئے دونوں کی ضرورت۔ یعنی خدا سے لو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ سے توحید توحید کہنے سے کام نہ بنے گا اشھدان لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ اشھدان محمدا عبدہ ورسولہ بھی کہنا پڑے گا۔ خدا کے ذکر کے ساتھ حبیب خدا کا بھی ذکر ہوگا (اذا ذکرت ذکرت معی) ارشاد باری ہے کہ اے حبیب جب میں نے آپ کا ذکر کیا تو اپنے نام کے ساتھ کیا۔ قرآن میں جا بجا اللہ کے ساتھ اسکے رسول کا ذکر موجود پھر پانچ وقت کی اذان میں توحید کی گواہی کے ساتھ رسالت کی گواہی یہاں تک کہ التحیات میں آپ کی بارگاہ اقدس میں صلوٰۃ وسلام۔ پھر دیکھو کہ کائنات میں ہر لمحہ خدا کے ساتھ اس کے رسول کا ذکر بلند ہو رہا ہے۔ کہیں فجر کی اذان دی جا رہی ہے تو کہیں ظہر کی۔ کہیں عصر کی اذان ہو رہی ہے یا عشاء کی بہر حال ہر ساعت خالق ذوالجلال والاکرام کے ساتھ اس کرہ ارض میں خلاصہ کائنات کی نبوت خاصہ اور رسالت تامہ کا بھی ذکر بلند ہو رہا ہے ورفعنا لک ذکرک کی یہ وہ کھلی تفسیر ہے جو ہر وقت دیکھی اور سنی جا رہی ہے۔ اس کو سمجھانے کے لئے کسی مفسر کی ضرورت نہیں کہ "عیاں را چہ بیاں"۔ حضور کے منجملہ اور اوصاف و محاسن عالیہ کے یہ ایک ایسا وصف ہے جس میں آپ کا کوئی سہیم یا شریک یا عدیل نہیں۔ کماقال البوصیری

منزہ عن شریک فی محاسنہ

فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

آداب بارگاہ نبوت

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا
(اقبال)

بارگاہ نبوی کی علو مرتبت اور عظمت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اس میں حاضری کے آداب کی تعلیم خود اسی ہستی نے دی ہے جو ذوالجلال والاکرام ہے۔ اپنے دربار ذی حشم میں حاضر ہونے والوں کے لئے اس نے تزئین و آرائش کی ممانعت کر دی خوشبو کے استعمال سے روک دیا' سر میں اگر جوئیں پڑ جائیں تو ان کو بھی نکالنے اور مارنے سے منع کر دیا دوبارہ لباس بھی سیدھا سادھا کر دیا کہ بس ایک تہمند باندھ لو اور جسم پر ایک چادر اوڑھ لو اور دیکھنا کہ وہ بھی سی ہوئی نہ ہو۔ گرد و غبار میں اٹے رہو تو مضائقہ نہیں۔ بالوں میں کنگھی بھی نہ کرنا بلکہ الجھے ہوئے ژولیدہ و پراگندہ رہیں۔ انہی غبار آلود کپڑوں اور بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ جن کو اغبر و اشعث کہا گیا ہے دیوانہ بن کر دیوانگی کے عالم میں ہر نشیب و فراز پر باآواز بلند لبیک لبیک فلک شگاف نعرے لگاتے ہوئے اچھلتے کودتے دوڑتے ہوئے آؤ۔ ہم کو تمہارا یہی انداز پسند ہے لیکن دیکھنا کہ میرے محبوب کی بارگاہ ناز میں حاضر ہونا ہو تو اپنی آواز کو بلند نہ کرنا ہر ہر قدم پہ آداب ملحوظ نظر رکھنا ایک دوسرے کے ساتھ جس طرح پکار کر بات کرتے ہو اس طرح نہ کرنا۔ دھیمی دھیمی آواز سے نہایت ادب سے لب کشائی کرنا۔ سورۂ حجرات کی ابتدائی آیات دیکھو ان میں انہی آداب کی تاکید ملے گی اور معلوم ہو گا کہ خالق الارض والسماوات نے اپنے محبوب کی بارگاہ ناز میں حاضرین کے لئے کیا قیود و بند لگائے اور شرائط عاید کئے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

یا ایھا الذین آمنو الا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بقول کجھر بعضکم بعضا اور پھر اس تاکید کے ساتھ ان احکام کی خلاف ورزی کی سزا بھی بتا دی کہ آن تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری تمام عمر کی نیکیاں حبط د اکارت کر دی جائیں اور تم کو اس تباہی و بربادی کا پتہ بھی نہ چلے۔ دوسری خلاف ورزیوں کی اتنی کڑی سزا تجویز نہیں کی گئی۔ بلکہ کہا گیا کہ من عمل صالحا فلہ عشر امثالھا جو نیک عمل کرے گا تو اسکے برابر دس نیکیاں لکھی جائے گی۔ ومن عمل سیئتے فلا یجزی الا مثلھا۔ اگر کوئی برائی کرے گا تو اس کے نامہ اعمال میں اس برائی کے مانند ایک ہی برائی لکھی جائے گی۔ لیکن یہ کیسی برائی ہے کہ جس سے تمام عمر کے سارے نیک اعمال حرف غلط کی طرح میٹ دئے جاتے ہیں اس سزا کی سنگینیت کا اندازہ کرو۔ ساتھ ہی ان اشخاص کی تحقیق و آفریں کی گئی جو بوقت حاضری اپنی آواز پست کر لیتے ہیں۔ فرمایا ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولٰئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرۃ واجر عظیم یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کی پرہیز گاری اور تقوے کو اللہ تعالے نے آزما لیا ہے ان کے آداب اور خشیت و تقوے کا صلہ ان کی بخشش و مغفرت ہی نہیں بلکہ ان کے لئے نہایت بڑا ثواب ہے۔

حضور کے حجلۂ قدس سے باہر بنی تمیم کے ایک وفد نے دوپہر کے وقت جبکہ آپ آرام فرما رہے تھے زور زور سے آپ کو پکارنا شروع کیا تو ان کی ذمت کرتے ہوئے ارشاد باری ہوا ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون۔ کہ اے حبیب آپ کو جو لوگ آپ کی خلوت گاہ خاص کے باہر

آواز دیتے ہیں ان میں اکثر و بیشتر جاہل، بے عقل اور نادان ہیں۔

ولو انهم صبروا حتى تخرج اليهم لكان خيرا لهم والله غفور رحيم ان کو چاہیئے تھا کہ آپ کی باہر تشریف آوری تک توقف کرتے صبر سے کام لیتے یعنے انتظار کرتے اگر اس طرح ادب کا مظاہرہ کرتے تو یہ انکے لئے بہتر ہوتا اور وہ اللہ کو نہایت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا پاتے۔

الحاصل اپنے دربار میں بحال دیوانگی آنا پسند کیا لیکن اپنے محبوب کے دربار میں حاضری کے آداب مقرر کردیئے اسی لئے کہا گیا ہے کہ ؎

یا خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

سورۂ بقر کی تیرھویں رکوع پہلی آیت میں یہ تاکید کی گئی کہ یا ایھا الذین آمنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا وللکافرین عذاب الیم "یعنے آپ سے مخاطبت میں راعنا یعنے ہمارے حال کی رعایت کیجئے آپ کے کلام کو اچھی طرح سمجھنے کا موقع دیجئے کہنا یہود کی لغت میں یہ کلمہ سوء ادب کے معنے رکھتا تھا اور انہوں نے اس نیت سے کہنا شروع کیا تھا۔ حضرت سعد بن عیاذ یہود کی اس اصطلاح سے واقف تھے آپ نے ایک روز یہ کلمہ انکی زبان سے سن کر فرمایا اے دشمنان خدا تم پہ خدا کی لعنت اگر میں نے اللہ کسی کی زبان سے یہ کلمہ سنا تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔ یہود نے کہا آپ ہم پہ برہم ہو رہے ہیں مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں۔ اس پہ آپ رنجیدہ ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی جسمیں راعنا کہنے سے منع کر دیا گیا اور تاکید کی گئی اسکی بجائے انظرنا کہو یعنی ہماری جانب نگاہ لطف فرمائیے۔ جو لوگ گستاخی اور سوء ادبی سے مخاطب ہوتے ہیں ادب کا دامن چھوڑ دیتے ہیں انکے لئے دردناک عذاب ہے

اس سے معلوم ہوا کہ گفتگو میں ایسا کلمہ زبان پر لانا جس میں ترک آداب کا شائبہ ہو ممنوع ہے۔ ان آداب کی تعلیم اور تاکید کے پیش نظر صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ ہمیشہ دم بخود رہتے۔ حضور کے روبرو ایسے ساکت وصامت رہتے کہ کان علے روسھم الطیور جیسے ان کے سروں پہ پرندے بیٹھے ہوں۔ کلام میں پیش قدمی نہ کرتے اگر حضور کوئی سوال کرتے تو اس کا جواب معلوم بھی ہوتا تو بایں احتمال کہ ممکن ہے وہ صیح نہ ہو عرض کرتے اللہ ورسولہ اعلم اللہ اور اس کا رسول ہم سے زیادہ اعلم ہے۔ سورہ مجادلہ کی آیت ۱۰ کے ذریعہ یہ بھی تاکید کی گئی کہ یاایھاالذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقہ ذالك خیرٌلکم واطھر فان اللہ غفور رحیم اے ایمان والو جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کرو تو مشورہ سے پہلے کچھ صدقہ دیدیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر اور اطہر ہے اور اگر اسکی سکت نہ ہو تو اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

سورۂ احزاب آیت ۵۳ میں یہ بھی تاکید کی گئی یاایھا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم الی طعام غیر ناظرین انٰہ ولکن اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولامستانسین للحدیث ذالکم کان یوذی النبی فیستحی منکم واللہ لا یستحی من الحق واذا سألتموھن متاعاً فاسئلوھن من وراء الحجاب ذالك اطھر لقلوبکم وقلوبھن

یعنے اے ایمان والو نبی کے گھروں میں بجز اسکے کہ تم کھانے پہ مدعو کیا جائے داخل نہ ہونا اور نہ برتنوں کی طرف دیکھنا اور جب تم کھانے سے فارغ ہو جانا تو منتشر ہو جانا بات بہت کرتے ہوئے بیٹھے نہ رہنا کیونکہ اس سے نبی کو تکلیف ہوتی ہے لیکن وہ کہتے ہوئے شرم

کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ حق بات کرنے سے شرم نہیں کرتا اور دیکھنا جب ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگنا تو پردے کے پیچھے سے مانگنا یہ تمہاری اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کی بات ہے۔ یہ بھی ارشاد ہوا۔ یاایھا الذین لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم۔

"اے ایمان والو اللہ اور رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ بہت سننے اور جاننے والا ہے۔"

یعنے لازم ہے کہ اصلا تم سے تقدیم واقع نہ ہو نہ قول سے نہ فعل سے تقدیم کرنا رسول اللہ کے ادب و احترام کے خلاف ہے بارگاہ رسالت میں نیازمندی و آداب لازم ہیں۔ اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ چند شخصوں نے عید الضحیٰ کے دن سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قربانی کر لی تو ان کو حکم دیا گیا کہ دوبارہ قربانی کریں اور حضرت عائشہ رض سے مروی ہے کہ بعض لوگ رمضان میں ایک روز پہلے ہی روزہ رکھنا شروع کر دیتے تھے ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عروہ ثقفی ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے حدیبیہ میں کفار کے نمائندہ بنکر آئے تھے وہاں سے واپس ہوکر انہوں نے کفار مکہ کو مجمع میں علی الاعلان یہ کہا تھا کہ اے میری قوم میں نے بادشاہ روم قیصر بادشاہ فارس کسریٰ اور بادشاہ حبشہ نجاشی سب کا دربار دیکھا ہے۔ لیکن خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کے درباریوں کو اپنے بادشاہ کی اتنی تعظیم کرتے نہیں دیکھا جتنی تعظیم محمدؐ کے اصحاب محمد کی کرتے ہیں۔

(بخاری جلد اول ص ۳۸۰ باب الشروط فی الجہاد)

الحاصل قرآن پڑھتے جاؤ ہر منزل پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کی پابندی کی تاکید ملے گی۔ مفسر قرآن مولانا معز الدین قادری ملتانی نے بارگاہ نبوی کے آداب کے متعلق جو مرصع نعت لکھی ہے اسکو نقل کر کے اس عنوان کو ختم کرتا ہوں۔

یہ ہے باب مصطفیٰ لازم ہے اول احتیاط
ہر تڑپ میں بھی تجھے کرنی ہے شامل احتیاط

رہرو طیبہ رہے ملحوظ آداب سفر
ہر قدم پیش نظر ہو تا بمنزل احتیاط

ڈگمگا جائے نہ کشتی امت سرکار کی
سر اٹھانا دیکھ کر اے موج ساحل احتیاط

دیکھ کر روضہ کو چاہا تھا کہ چیخوں گر پڑوں
بن گئی ہے ان تمناؤں کی قاتل احتیاط

بزم خیر الانبیاء میں انبیاء تک ہیں خموش
خود سکھا دیتا ہے سب کو رعب محفل احتیاط

دم بخود اصحاب ہیں لاترفعوا سنکر معزؔ
حق ادب آموز ہے واجب ہے کامل احتیاط

اولیّت وخاتمیّت

پیش از ہمہ شاہان غیور آمدۂ ہر چند کہ آخر بظہور آمدۂ
اے ختم رُسل قرب تو معلوم شد دیر آمدۂ ز راہِ دور آمدۂ

حضور انور محبوب رب العالمین ہیں، رحمۃ للعالمین ہیں، شفیع المذنبین ہیں امام الاولین والآخرین ہیں۔ سب سے پہلے بھی آپ سب سے آخر بھی آپ ھُوَ الْاَوَّل ھوالآخر۔ ظاہر بھی آپ باطن بھی آپ ھوالظاھر ھوالباطن۔ اول اس طرح کہ سب سے پیشتر آپ کے نور کی تخلیق ہوئی اوّل ما خلق اللہ نوری۔ سب سے پہلے جس کو پیدا کیا وہ میرا نور تھا۔ انا من نور اللہ وکُلُّ شئٍ من نوری میں اللہ کے نور سے ہوں اور ہر چیز میرے نور سے ہے۔ اس طرح سب سے پہلے آپ ہوئے اور سب سے آخر اس طرح کہ آپ پہ سلسلہ نبوت ختم ہوگیا۔ لا نبیی بعدی میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ماکان محمدٌ ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیّین۔ ارشاد باری ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔

حضور پر نور نے ختم نبوت کے مسئلہ کو یہ ارشاد فرماکر اور واضح کردیا کہ لوکان نبیا بعدی لکان عمر۔ میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر نبی ہوتے۔ منکرین ختم نبوت یہ کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہ نبوت ختم ہو جانے کا انکار کرتے ہیں کہ نبوت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سب سے بڑی نعمت ہے۔ آنحضرت پہ نبوت ختم ہو جائے اسکے مترادف ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت سے امت محمدیہ کو محروم کردیا گیا۔ اتحاد بیٹ

اور آیات متذکرہ صدر کا وہ یہ مفہوم لیتے ہیں کہ "خاتم" سے مراد افضل ہے۔ یعنی آئندہ اس شان کا نہیں آئے گا۔ لیکن یہ استدلال ان آیات اور احادیث کے صاف و صریح الفاظ کی موجودگی میں کوئی وزن نہیں رکھتا۔ لا نبیّ بعدی اور خاتم النبیین سے یہی مبرہن ہوتا ہے کہ حضور افضل الانبیاء تو ہیں ہی اس کے علاوہ آپ سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی ہیں۔ منکرین نے لفظ "خاتم" کی جو تاویل کی ہے وہ بالکل لغو اور مہمل ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ نبوت کا سلسلہ منقطع ہونے سے نعمت الٰہی کا انقطاع لازم آتا ہے تو یہ اعتراض بھی درست نہیں۔ اکمال دین اور اتمام نعمت کے بعد کسی نبی کی ضرورت باقی نہ رہی۔ بلکہ یہ کام صحابۂ کرام علمائے عظام اور مجددین کے سپرد کر دیا گیا ہے کہ وہ اس شجرِ نبوت کی آبیاری اور اس فیضانِ الٰہی کی تجدید، تبلیغ اور اشاعت کا سلسلہ جاری رکھیں۔

حضور سید عالم کا ارشاد "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے مانند ہوں گے۔"

اور پھر یہ ارشاد ہوا "العلماء ورثۃ الانبیاء" علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

اور پھر حدیث: "اصحابی کالنجوم بایّھم اقتدیتم اھتدیتم" میرے اصحاب ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کسی کی پیروی اور اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے" سے مستفاد ہوتا ہے کہ انبیاء کے وارث آپ کے اصحاب اور علمائے امت کے حصہ میں آئی۔

یہ بھی حضور نے ارشاد فرمایا "مثل اھل بیتی کسفینۃ نوح من رکبھا فقد نجا ومن استخلف عنھا فقد ھلک۔"

میرے اہل بیت سفینہ نوح کی طرح ہیں جو اس کشتی میں سوار ہوا نجات پایا

اور جو پیچھے رہ گیا تخالف اختیار کیا تو وہ پسر نوح کی مانند ہلاک ہو گیا۔

یہ بھی ارشاد ہوا انی تارکٌ فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی ۔ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں ایک کتاب اور دوسری میری عترت ۔ آگے یہ بھی صراحت فرمادی کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے تا آنکہ مجھ سے یہ حوضِ کوثر پہ ملیں گے تو اہل بیت کے سفینہ میں بیٹھو۔ صحابہ کو جو آسمان ہدایت کے تارے ہیں اپنا رہنما بناؤ اور منزل مقصود کی جانب چل پڑو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم بھٹکنے نہ پاؤ گے۔ لن تضلوا بعدی کے ذریعہ اس کی رہبر کل نے خود گیارنٹی دی ہے کہ اس طرح تم رہگذر حیات طے کرو گے تو بھٹک نہ سکو گے ۔ وادی ضلالت میں نہ گرو گے۔ گمراہی کے طلاطم خیز امواج کا شکار نہ ہو گے ۔ اس تشریح سے صاف نتیجہ نکل آیا کہ تا قیامت فیضان نبوت کا سلسلہ جاری رہے گا۔ شمع نبوت کی روشنی کبھی مدھم نہ ہوگی ۔ اس کی ضیاء گستری اور ضو فشانی تا قیام لیل و نہار برقرار رہیگی زمانے میں صدہا انقلاب آتے رہیں گے۔ فتنہ و فساد کی آندھیاں چلتی رہیں گی اور آئندہ بھی چلتی رہیں گی لیکن اس شمع ہدایت کی روشنی نہ بجھ سکی نہ آئندہ بجھ سکے گی بلکہ ان جھونکوں سے یہ روشنی اور تیز تر ہوتی جائے گی۔

کما قال اللہ تعالیٰ " یُرِیدُونَ لِیُطْفِئُوا نُورَ اللہِ بِاَفْوَاہِہِم وَاللہُ مُتِمُّ نُورِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُونَ۔ منکرین اسلام تو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے پھونک کر بجھا دیں لیکن اللہ اس نور کو پورا کر کے رہے گا۔ گویا ان کو یہ بات ناگوار گذرے۔ اس مفہوم کو کسی شاعر نے یوں ادا کیا ہے ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن ۔ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

تاریخ شاہد ہے کہ حق و صداقت کی روشنی ناساعد حالات میں بھی کم ہونے کے عوض بڑھتی جا رہی ہے اور دور دراز علاقے بھی تاریکی سے روشنی میں آتے جا رہے ہیں کیونکہ ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے ۔ جتنا اسے دباؤ گے اتنا ہی یہ پھیلے گا

بادِ مخالف کی تیز و تند جھونکے اس روشنی کو بجھا نہ سکے کسی نے کیا خوب کہا ؎

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے ۔ وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

الحاصل اس سیر حاصل تبصرہ سے واضح ہو گیا ہو گا کہ سرورِ کائنات فخرِ موجودات سب سے اول بھی ہیں اور سب سے آخر بھی۔ ماقبل آدم آپکا نور اور تا قیامت اس کا ظہور۔ ظاہر میں آپ فرزندِ آدم اور باطن میں خود آدم آپ کے خلیفۂ اعظم۔ شبِ معراج میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفرِ معراج کی پہلی منزل تھی۔ حضور مسجد اقصیٰ میں رونق افروز ہوئے تمام انبیاء و مرسلین نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ مدّاحِ رسولِ عربی استادِ سخن امیر مینائی نے اس منظر کی عکاسی اس طرح کی ہے ؎

حلقہ میں نبیوں کے وہ ماہِ مدنی ہے ۔ کیا چاند سی تو پر ستاروں میں بنی ہے

صفیں سیدھی ہوئیں تو ان میں صفی اللہ بھی تھے، خلیل اللہ بھی، نجی اللہ بھی کلیم اللہ بھی، روح اللہ بھی، مگر حضور نے امامت کی اور ان تمام انبیاء و رسل نے آپ کی اقتداء کی۔ یعنے سب پیچھے آپ آگے اور اس طرح یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ آپ امام الاولین بھی ہیں اور امام الآخرین بھی۔ پہلے ان آیتوں سے آپ کے جمال و کمال کا ظہور ہو رہا تھا۔ عالم نور سے آپ سب کی دستگیری فرماتے

تھے۔ باطن میں آپ تھے اور ظاہر میں یہ انبیاء و رسل بالآخر وہ وقت آیا کہ دنیائے آب و گل آپ کے جلوؤں سے علانیہ منور ہو گئی۔

و للہ در من قال

خویشتن را جلوہ کردی اندریں آئینہ ہا
آئینہ میں ہم نہفتا وی خود باظہار آمدی

مختصر یہ کہ ؎

وہ دانائے سبل ختم رسل مولائے کل جس نے
گدائے راہ کو بخشا فروغ جلوہ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

(اقبال)

اتمامِ نعمت

ختم نبوت کا مقتضا تھا کہ جس طرح خصائص نبوت بدرجہ کمال آپ پہ ختم کئے گئے اور آپ کے وجود مقدس کو خاتم الادیان اور جامع جملہ صفات و کمالات انبیائے سابقین بنا دیا گیا، ساری انعم الٰہی بھی بدرجہ کمال تمام کر دی جائیں چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پہ دس ہزار قدوسیوں کی موجودگی میں یہ بشارت دی گئی کہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممتُ علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا یعنے آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل و مکمل کر دیا اور تم پہ میں نے اپنی ساری نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا۔"

امت مسلمہ کی فضیلت و سیادت کے بارے میں ارشاد ہوا کنتم خیر امّۃ اُخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر "تم بہترین امت ہو جو لوگوں کو بھلائیوں کا حکم اور برائیوں سے روکنے اور منع کرنے کے لئے نکلے ہو۔"

مولانا آزاد کے الفاظ میں ـــــ "ان آیات کریمہ سے فضیلت و سیادت حضرت ختم المرسلین کا یوں اثبات ہوا کہ امت مسلمہ کی ساری امتوں سے بہتر فرمایا اور شریعت محمدی کو تکمیل ادیان اور اتمام نعمت قرار دیا اور یہ ظاہر ہے کہ مطیع کی افضلیت مستلزم افضلیت مطاع اور نعمت کا تمام نعم سابقہ سے اعلیٰ و اتم ہونا حامل و مبلغ نعمت کے اعلیٰ و افضل ہونے پہ دال ہے۔ اگر آخری شریعت

تمام پچھلی شریعتوں کی جامع اور اس طرح ان سب سے افضل ہے۔ اگر آخری امت ساری پچھلی امتوں کے برکات و نعم سے مالا مال اور اس لئے ان سب سے افضل و اصلح ہے اور اسی طرح شریعت آخری کے ظہور و زمان و مکاں و قوام و اعمال کی ساری باتیں پچھلی امت کی ان ساری باتوں پر فوقیت و فضیلت رکھتی ہیں تو پھر بغیر اسکے ممکن نہیں کہ امت آخری کے رسول و مقوّم بھی سارے پچھلے رسولوں کے مراتب و مقامات کا جامع اور اس لئے ان سب سے افضل و مافوق اور سہ "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" کا مصداق ہو۔

سلسلہ نبوت کے خصائص اور کمالات کی علاحدہ علاحدہ کڑیاں ختم نبوت کی آخری کڑی میں جوڑ دی جا کر اس سلسلہ کو ختم کر دیا گیا۔ حاصل کلام یہ کہ چیدہ چیدہ نعمتیں بھی شریعت محمدیہ میں یکجا جمع و تمام کر دی گئیں۔ سابقہ دساتیر پر خط تنسیخ کھینچ دیا گیا اور ان کی جگہ ایک ایسے کامل دستور نے لے لی جو تمام کلیات اور جزئیات میں نہ صرف حاوی بلکہ وہ آخری دستور ہے جسکی پابندی قیامت تک بلا کسی ردّ و بدل کے لازم ہے۔ اس میں خفیف سی خفیف ترمیم کی گنجائش نہیں۔ یہ زمانے کے ہر ترقی کا ساتھ دیتا رہے گا۔ یہی اس کا معجزہ ہے۔ یہ کسی دستور ساز اسمبلی یا پارلیمنٹ کا بنایا ہوا دستور نہیں جو وقتاً فوقتاً ادھیڑا جاتا رہے یا پھر پورے دستور کو ناقابل عمل قرار دے کہ اس پر خط تنسیخ کھینچ دیا جائے یہ الٰہی قانون ہے جو بہر حال قطعی ہے اور ہر زمانے میں واجب العمل ہے ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا اس کی خاص صفت ہے

حضرت معاذ بن جبل کو جب ایک علاقہ کا حاکم بنا کر بھیجا جا رہا تھا تو سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے ان سے پوچھا کہ معاذ تم وہاں کس

طرح فصلِ خصومات کروگے؟ معاذ نے عرض کیا حضور میں قرآن کے احکام کے مطابق فیصلے کروں گا اگر قرآن کا اس مسئلہ کے متعلق صاف وصریح حکم نہ ملے یا سمجھ میں نہ آئے تو حدیث پر عمل کروں گا اگر وہ بھی نہ ملے تو اجماع سے کام لونگا اگر اجماع بھی نہ ملے تو قیاس سے مدد لوں گا۔ سید عالم نے اس جواب پر خوشنودی ظاہر فرمائی۔

معلوم ہوا کہ قرآن میں کوئی صاف وصریح حکم نہ ملے یا اس کے سمجھنے میں دقت ہو تو حدیث کے ذریعہ مابہ البحث معاملہ کا تصفیہ کیا جائے گا۔ حدیث حضور کا قول یا عمل ہے آپ کا کسی مسئلہ کے تعلق سے قول مل جائے یا عمل نظر آئے تو اس کے مطابق عمل آوری لازم ہوگی اسلئے کہ آپ کا قول ہو یا عمل ہو وہ مطابق کتاب اللہ ہی ہوگا کہ آپ قرآن مجسم اور فرقان ناطق ہیں۔ آیت قرآنی وما کان لمومن ولامومنة اذا قضى الله ورسوله ان یکون لهم الخیرة من امرهم ومن یعص الله ورسوله فقد ضل ضلالاً مبینا (احزاب آیت ۲۵)

"یعنے جب کبھی اللہ اور اسکے رسول کسی مرد مومن یا مومنہ کے نزاعی امر کے متعلق فیصلہ کردیں تو اب ان کو اس فیصلہ سے سرتابی کرنے کا اختیار باقی نہ رہیگا اب جو اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے یقین جان لو کہ وہ صریح گمراہی کا مرتکب ہوا اور وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔

اس طرح اللہ ورسول دونوں کا گنہگار ہوگیا۔ البتہ اگر قرآن اور حدیث کے صاف وصریح احکام نہ ملیں تو پھر اجماع سے کام لیا جائیگا۔ حضور کا ارشاد ہے وہ طریقہ اختیار کرو جس پر میں اور میرے اصحاب گامزن ہیں ما انا علیه واصحابی

کے ذریعہ یہ طریقہ بھی بتادیا اور یہ بھی ارشاد ہوا اتبعوا سواد الاعظم تم سواد اعظم کی پیروی کرو کیونکہ لایجتمع امتی علی الضلالۃ میری امت کبھی ضلالت اور گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ یہ آخری درجہ قیاس ہے جو قرآن اور حدیث کی اسپرٹ کے مطابق ہوگا۔ یعنی ایسا قیاس جس سے قرآن اور حدیث کے منشاء کی تکمیل ہو نہ کہ ایسا قیاس جو صریح احکام کے خلاف ہو۔

اس نوبت پہ قیاس باطل اور قیاس صادق کا فرق بھی واضح کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

دیکھو جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو سب فرشتوں نے بطوع و رغبت اس حکم کی تعمیل کی لیکن ابلیس نے جو معلم الملکوت تھا سجدہ کرنے سے انکار کردیا۔ جب اس انکار کی وجہ پوچھی گئی کہ مامنعک انتلا تسجد لادم آدم کو سجدہ کرنے کس چیز نے تجھے روکا۔ تو اس نے جواب دیا خلقتنی من نار وخلقتہ من طین اے خالق کائنات تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔ آگ خاک سے افضل ہے اسلئے میں نے سجدہ نہیں کیا۔ ابلیس کا یہ قیاس قیاس باطل تھا جس کی ابتداء اسی سے ہوئی جیسا کہ کہا گیا ہے اول من قاس ابلیس اس کا انجام یہ ہوا کہ وہ قیامت تک لعنت کا مستحق ہوگیا اور اب بھی اس کے چیلے اسی طرح ایسی باتیں تراشتے اور سواد اعظم سے کنارہ کش ہوتے جارہے ہیں۔ بحکم یوم یبعث کل اناس بامامھم انکا حشر بھی ان کے اس موحد اعظم کے ساتھ ہوگا جس نے حکم باری تعالیٰ کے باوجود اپنا سر غرور و نخوت سے خم نہیں کیا۔ استاد ذوق نے کیا خوب کہا ہے ؎

گیا شیطان مارا ایک سجدہ کے نہ کرنے سے ۔ اگر لاکھوں برس سجدہ میں سر مارا تو کیا مارا

اس کے متبعین خالق کائنات کے محبوبوں سے کنارہ کشی کر رہے ہیں لیکن سجدہ پر سجدہ کئے جا رہے ہیں اپنی پیشانیوں کو زمین پر اس طرح رگڑ رہے ہیں کہ اسی دنیا میں سیاہ گٹھوں سے روسیاہی ہو رہی ہے۔ اب انہیں کون سمجھائے کہ سے

قیام و قعدہ رکوع و سجود لاحاصل ہے ٭ ز حبیب سے نسبت نہیں تو کچھ بھی نہیں

اب قیاس صالح کا بھی حال سُن لیجیے "کسی نے حضرت امام باقر سے کہدیا کہ ابو حنیفہ قیاس پر فتوے دے رہے ہیں۔ حضرت امام باقر نے حضرت ابو حنیفہ سے دریافت کیا کہ میں نے سنا ہے کہ تم قیاس کی بنیاد پر ہمارے دادا کی حدیثوں کے برخلاف فتوے دے رہے ہو یہ کہاں تک درست ہے؟ حضرت ابو حنیفہ نے جواب دیا عیاذاً باللہ حدیث کی کون مخالفت کر سکتا ہے آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں اور پھر حضرت امام باقر سے حسب ذیل سوالات کئے۔

ابو حنیفہ ـــ مرد ضعیف ہے یا عورت؟ امام باقر ـــ عورت

ابو حنیفہ ـــ حدیث میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟ امام باقر ـــ مرد کا

ابو حنیفہ نے کہا میں قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے کیونکہ ضعیف کو ظاہر قیاس کی بنیاد پر زیادہ ملنا چاہیئے۔ اسکے بعد دریافت کیا۔

ابو حنیفہ ـ نماز افضل ہے یا روزہ؟ امام باقر ـــ نماز

ابو حنیفہ ـ اس اعتبار سے حائضہ پر نماز قضا واجب ہونا چاہیئے نہ کہ روزے کی لیکن میں روزے کی قضا کا فتویٰ دیتا ہوں۔

حضرت امام باقر نے ابو حنیفہ کا یہ کلام سُنا تو اس قدر خوش ہوئے کہ اٹھ کر انکی پیشانی چوم لی۔ اس قسم کی کئی مثالیں اصول فقہ کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ بطور مشتے نمونہ از خروارے صرف

دو مثالوں پر اکتفا کیا گیا۔ مجھے یہ دکھانا مقصود تھا کہ اکمال دین و شریعت کا اقتضاء تھا کہ نبوت کا سلسلہ سید عالم کی ذات قدسی صفات پر ختم ہو اور شریعت محمدی کی بھی تکمیل اسی طرح ہو کہ وہ تمام شرائع کی جامع اور تمام کلیات و جزئیات پر محیط ہو شارحین فقہ اور حدیث نے اللہ اور رسول کے احکام پر عمل کرنے کیلئے اصول بنائے تاکہ اگر کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ میں صریح احکام نہ ملیں تب بھی اجماع اور قیاس کے ذریعہ اللہ اور اسکے رسول کے احکام پر عمل کرنے میں کوئی دشواری لاحق نہ ہو انسان کے بنائے ہوئے دستور کے بعض یا کل احکام کو ناقابل عمل قرار دیکر منسوخ اور ناقابل عمل قرار دیدئے جاتے ہیں۔ ہندوستان کو آزادی ملکر ۳۵ سال ہوئے اور دستور ہند میں بھی اب تک ۳۵ دفعہ تبدیلیاں ہوچکی ہیں لیکن خالق کائنات کا بنایا ہوا دستور حیات الآن کما کان ہے زمانے میں کئی حکومتیں بدلتی گئیں کئی انقلاب آئے متعدد نشیب و فراز ہوئے۔ اور بقول مولانا حسرت موہانی ؎ جنوں کا نام خرد پڑگیا خرد کا جنوں ۔ لیکن اہل خرد، اہل خرد ہی رہے ان کے دستور حیات اور احکام شریعت کو مسخ یا تبدیل کرنے کی ہر کوشش کو انہوں نے ناکام بنادیا۔ زمانہ نہ بدلا لیکن یہ نہ بدلے نہ انکا پرستل لا بدلا۔ اتمام نعمت اور تکمیل شریعت نے ہر رخنہ بند کر دیا اب اگر کوئی حدت طرازی کرے تو ایسی حدت مداخلت فی الدین ہے لھو الحدیث ہے ۔ مشقت اٹھا کر ہر حدت پسند زک اٹھاتا اور پھر ثواب کے عوض عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔ الحمد اس وقت معلوم ہوا کہ ؎

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

حضور کی صیانت

اتمام نعمت اور ختم نبوت کا اقتضاء تھا کہ کتب سماوی کے سلسلے کی آخری نبی و رسول کی ذات و صفات کے تحفظ کا پوری طرح بندوبست کر دیا جائے چنانچہ ان دونوں کی حفاظت کی ذمہ داری خود حافظ حقیقی نے لی۔ اس آخری صحیفہ آسمانی میں تحفظ کے بارے میں ارشاد ہوا انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کہ ہم نے یہ ذکر یعنی قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اسکی حفاظت کریں گے۔

تاریخ شاہد ہے کہ سابقہ صحف سماوی میں اس طرح تحریف و تلبیس کر دی گئی کہ ان کی اصلیت برقرار نہیں رہی۔ اخبار و رہبان اپنی مرضی و منشاء کے مطابق ان میں ردّ و بدل کرتے رہے یحرفون الکلم عن مواضعہ اور تلبسون الحق بالباطل کی قرآنی شہادت اس حقیقت کی نقب کشائی کرتی ہے کہ آج کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ توریت، زبور اور انجیل تحریفات سے مبرا اور اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں۔ اور پھر یہ بھی ہوا کہ باقی صحف کا آج نام ہے نہ نشان۔ اس کمی اور موجودہ صحف کے نقائص کی تلافی آخری صحیفہ آسمانی نے کر دی جو تمام کتب سماوی کی ہدایات کا خلاصہ اور تمام انبیائے سابقین کی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔

وقتاً فوقتاً محل و قوع کی مناسبت سے جستہ جستہ جن آیات کا نزول ہوا خود اس ذات گرامی نے جن پر یہ اتری ہیں کاتبین وحی کو ہدایات دیں کہ فلاں آیت فلاں مقام پر رکھو۔ فلاں آیت کو فلاں آیت پر مقدم یا موخر کرو اور بالآخر خلیفہ ثالث نے انکو ایک مجموعہ کی صورت میں مرتب فرمایا۔ اس آخری پیام کے بدرجہ اتم تحفظ کیلئے قدرت نے ایک ایسی جماعت بھی پیدا کر دی جس نے اپنی زندگی اس خدمت کے لئے

دقیق کر دی نہ صرف پاروں اور سورتوں کی تعداد معین کر دی بلکہ یہ بھی شمار کر کے بتا دیا کہ پوری کتاب میں کتنی آیات ہیں اور پھر منجملہ آیات کے کتنی آیات اوامر اور کتنی آیات مناہی اور کتنی آیات قصص پر مشتمل ہیں۔

وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ اِنَّ اللہ مَمَّا یوید الدین برجل فاسق کہ بعض وقت اللہ تعالیٰ مرد فاسق سے بھی دین کی مدد کا کام لے لیتا ہے۔ تو حجاج بن یوسف جیسے جابر و ظالم کو اس کی توفیق ہوئی کہ آیات قرآنی پر اعراب لگوائے اور پھر بعد آنے والوں نے تمام آیات کے زیر و زبر پیش بلکہ نقطوں کی تعداد بھی شمار کر کے بتا دی۔ اور ایک جماعت ایسی بھی پیدا ہوئی جس نے پورے قرآن کو لفظ بہ لفظ اپنے سینوں میں جگہ دی۔ کما قال اللہ بل ھو آیات بینات فی صدور الذین آمنوا انّا یسرنا القرآن للذکر کے ذریعہ حفظ قرآن کو بھی اس طرح آسان کر دیا کہ نو عمر اور کمسن بچے بھی حافظ اور حامل قرآن ہو رہے ہیں۔

حضور پر نور فیض گنجور پر جب وحی اترنے لگتی تو تیز تیز اپنے لب ہائے نازک کو جنبش دیتے ہوئے اسکو یاد کرنے کی سعی فرماتے اپنے محبوب کی یہ زحمت بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کو گوارا نہیں ہوئی ارشاد ہوا لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ انا علینا جمعہ وقرانہ اے محبوب آپ اپنی زبان کو اس طرح حرکت نہ دیں ان آیات کو جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔

اسی طرح بعض آیات منسوخ اور بعض ذہن سے اتار دی گئیں تو آقائے نامدار کو ملال ہونے لگا۔ اپنے محبوب کے اس ملال کو بھی اللہ عز و جل نے یہ ارشاد کر کے رفع فرما دیا کہ ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا الم تعلم ان اللہ علی کل شئی قدیر یعنے جو آیات ہم منسوخ کر دیں یا بھلا دیں تو ہم اس سے بہتر

یا اسلے امثلہ دوسری آیت لادیں گے کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ خیر یہ تو ہوئی صیانت و تحفظ قرآن کی تفصیل اب حامل قرآن کی صیانت کا حال سن لو۔

کہا جاتا ہے کہ عالم انسانیت کی ہدایت کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث ہوئے۔ قرآن کی شہادت کے بموجب ہر قوم کے لئے ایک ہادی بھیجا گیا لکل قوم ھاد لیکن ان کے منجملہ صرف چند جلیل القدر انبیاء کے ناموں اور مجمل حالات کو قرآن نے اپنے آغوش صیانت میں جگہ دی ہے۔ دیگر انبیاء و رسل کے نام اور حالات بیان نہیں کئے گئے اور کہا گیا کہ منھم من قصصنا علیك و منھم من لم نقصص علیك اے محبوب آپ کے منجملہ بعض کا ذکر کیا گیا ہے اور بعض کا نہیں کیا گیا نا ور یہ بھی ہوا کہ جن جن کو بھیجا گیا تو ان کے رشد و ہدایت کے لئے ایک طبقہ یا علاقہ معین و محدود کر دیا گیا۔ دوسرے طبقوں اور علاقوں کو ان کی خبر بھی نہ ہوتے پائی۔ اور اکثر دفعہ یہ ہوا کہ اس محدود طبقہ یا علاقہ میں بھی ان کی ہدایت کو قبولیت تامہ حاصل نہیں ہوئی بلکہ سرکشوں نے انہی کو شہید کر دیا جیسا کہ ویقتلون الانبیاء بغیر الحق سے ظاہر ہے

حضرت نوح علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر نے بھی جو ساڑھے نو سو سال تک بقید حیات رہے اپنی قوم کی سرکشی سے تنگ آکر بالآخر بددعا کرنے پر مجبور ہو گئے کہ رب انی دعوت قومی لیلاً ونھارا کہ اے پروردگار میں نے اپنی قوم کو رات دن دعوت ہدایت دی فلم یزدھم دعاءی الا فرارا لیکن میری دعا سے بیانداز فرار اختیار کرنے لگے وانی کلما دعوتھم لتغفر لھم جعلوا اصابعھم فی اذانھم واستغشوا ثیابھم واصروا واستکبروا استکبارا اور جب کبھی میں نے ان کو دعوت دی تا کہ ان کی بخشش ہو جائے تو ان لوگوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں رکھ لیں اپنے کپڑے ٹھونس لئے انکار پر مصر رہے

اور نہایت کبر و نخوت سے کام لیا۔ اس کے بعد حضرت نوحؑ نے جن جن طریقے سے افہام و تفہیم کی کوشش کی۔ اسکا سورہ نوح میں ذکر ہے۔ پھر ان کی اس بددعا کا بیان ہے کہ رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا فانک ان تذرھم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا۔

"یعنی اے پروردگار زمین پر کسی کافر کا کوئی شہر نہ رکھنا کہ اگر آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینگے تو وہ آپ کے بندوں کو گمراہ کرتے رہیں گے اور یہ فاجر و فاسق اولاد کو جنم دیں گے۔"

اس بددعا کی قبولیت کا انجام یہ ہوا کہ ساری قوم طوفان سے غرقاب ہو گئی۔ اسی طرح قوم عاد و ثمود کا حشر ہوا انکی نافرمانیوں کے باعث انکا تختہ ہی الٹا دیا گیا۔

بہر حال منکرین کی سرکشی سے یا کو انبیاء شہید ہو گئے یا پھر ان سرکشوں کو نابود کر دیا گیا۔ یہ ضعف اور رنج کا شکار ہو گئے۔ لیکن خدا کا جب آخری پیام آیا تو یہ بھی نہ ہوا وہ بھی تھوا۔ منکرین اور سرکشوں کو یہ ارشاد فرما کر عذاب نہیں دیا کہ وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم یہ اللہ سے نہ ہوگا کہ اے حبیب آپ ان میں تشریف فرما ہوں اور ان کو عذاب دیا جائے۔"

اس آخری نبی نے بددعا کرنے کے بجائے یہ دعا کی کہ اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون ۔ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ یہ میری حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ اس طرح سرکشوں کو حضور کی رحمت نے بچا لیا۔ واللہ یعصمک من الناس فرما کر قادر مطلق نے اپنے محبوب کو اطمینان دلا دی کہ آپ کو ان لوگوں کے مکر و فریب اور سازشوں سے ہم محفوظ رکھیں گے۔ لا یضرونک شیئا یہ آپ کو کچھ بھی ضرر نہ پہونچا سکیں گے۔ (سورۂ نساء آیت ۱۱۳)

چنانچہ یہ وعدہ پورا ہوا آپ کے اعداء کو ہی حق تعالیٰ نے خائب خاسر کر دیا فجعلنٰھم الاخسرین آپ کو قتل کرنے کی تمام سازشیں ادھوری اور سارے منصوبے ناکام ہو گئے۔ امام بوصیری نے کیا خوب فرمایا ؂

وقایۃ اللہ اغنت عن مضاعفۃ من الدروع وعن عال من الاطم

اللہ کی حفاظت نے آپ کو دوہرے زرہ بکتر اور بلند سے بلند قلعوں سے بے نیاز کر دیا وللہ در ما قال۔

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے ؎ وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

اور پھر یہ حفاظت وصیانت کا وعدہ فتح مبین کی اس بشارت سے پورا ہوا کہ انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر ویتم نعمتہ علیک ویھدیک صراطا مستقیما وینصرک اللہ نصرا عزیزا (سورہ فتح آیات ۱ تا ۳)

یعنے ہم نے آپ کو فتح مبین سے سرفراز کیا

اور آپ پر منعم حقیقی نے اپنی نعمتیں تمام کر دیں آپ کو سیدھی راہ کی رہبری اور آپ کو غلبہ کے ساتھ نصرت و کامرانی دی۔

سورۂ اذا جاء میں ارشاد ہوا اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا ہ یعنے جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج فوج جوق جوق داخل ہوتے ہوئے دیکھیں تو آپ اپنے رب کا شکر تسبیح و تقدیس کے ساتھ کریں اس سے استغفار کریں وہ نہایت توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ یہ تحفظ کلام الٰہی اور ذات نبوی کی صیانت اب اس ذات گرامی کی زندگی کے ایک

ایک چیز کی کس طرح حفاظت کی گئی اس کا بھی حال سن لو اور پھر جس طرح قرآن مجید کی حفاظت اور خدمت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت پیدا کی اسی طرح اس نے اپنے محبوب کی عائلی زندگی، عوامی زندگی، خلوت کی زندگی، جلوت کی زندگی آپ کے اقوال آپ کے افعال، آپ کے اخلاق آپ کے اسوۂ حسنہ غرض آپ کی ہر حرکت اور ہر سکون کو ریکارڈ کرنے کے لئے ایک جماعت پیدا کر دی اور پھر اس جماعت کو ایسی قوت حافظہ بخشی کہ ان کے اذہان سے کوئی چیز فرو گذاشت ہونے نہ پائی۔

مولانا آزاد کے الفاظ میں " فی الحقیقت یہ چیز بھی خصائص قرآن اور صاحب قرآن کے ہے کہ۔ دونوں میں سے ہر وجود ایک دوسرے سے اس طرح پیوستہ و ملحق اور باہم دگر شاہد و مشہود کا تعلق رکھتا ہو کہ کتاب حامل کتاب کی صداقت پر دلیل و شاہد ہو اور حامل کتاب اصل کتاب کی صداقت سے

این او شمع اند کہ از یک دگر افروختہ اند

جیسے کہ اگر تاریخ شریعت کے تمام وسائل معدوم ہو جائیں اور روایت و حکایت کے تمام صحائف سے قطع نظر کر لیا جائے جب بھی صاحب شریعت کے وجود و سیرت کی تاریخی حقیقت اس طرح روشن و بیّن باقی ہے جس طرح تاریخ و روایت کے دفتر میں ہے اور اگر دنیا چاہے تو اس کی پوری سوانح عمری اور تاریخ حیات صرف ایک کتاب اللہ کی لوح محفوظ اور کتاب قیم ہی سے بلا کسی ایک نقطہ کی فرو گذاشت کے مرتب کر لے۔ اگر روایات و دفاتر تاریخ سے قطع نظر کر لیا جائے اور صرف قرآن حکیم ہی کو سامنے رکھا جائے تو آپ کی سیرت و حیات پر کیسی روشنی پڑتی ہے؟ اور جس طرح قرآن اپنی کسی بات میں اپنے غیر کا محتاج نہیں اسی طرح اپنے حامل و مبلغ کے وجود و حیات کے بھی خارج کا محتاج ہے یا نہیں۔ اور اگر دنیا سے تاریخ اسلام کی ساری کتابیں معدوم ہو جائیں

دنیا نے جو کچھ چھٹی صدی عیسوی کے ظہور دعوت کی نسبت سنا ہے اور سب کچھ بھلا دیے
اور صرف قرآن ہی دنیا میں باقی رہے۔ جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت
مقدسہ اور آپ کی سیرت وحیات کے براہین وشواہد مٹ جائیں تک قرآن اس کے لیے
بس کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ دنیا کو بتلا دے کہ اس کا لانے والا کون تھا؟ کیسے زمانے میں
آیا؟ کس ملک میں پیدا ہوا؟ اس کے خویش و بیگانے کیسے تھے؟ قوم و مرز بوم
کا کیا حال تھا۔ اس نے زندگی کیسے بسر کی؟ اس نے دنیا کے ساتھ کیا کیا اور دنیا
نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ اس کی باہر کی زندگی کیسی تھی اور گھر کی معاشرت کا کیا حال
تھا؟ اس کے دن کیسے بسر ہوتے تھے اور راتیں کن کاموں میں کٹتی تھیں۔ اس نے کتنی
عمر پائی؟ کون کون سے اہم واقعات و حوادث پیش آئے! اور پھر جب دنیا سے
جانے کا وقت آیا تو دنیا اور دنیا والوں کو کس عالم میں چھوڑ گیا؟ اس نے جب دنیا پر
پہلی نظر ڈالی تو دنیا کا کیا حال تھا؟ اور جب واپسیں نظر وداع ڈالی تو وہ کہاں سے
کہاں پہونچ چکی تھی! غرض کہ ایک وجود و مقاصد وجود اور اعلام صداقت و عظمت کے لئے
اس کے وقائع وما یتعلق بھا وما یناسب ذالک میں سے جن باتوں کی
ضرورت ہو سکتی ہے وہ سب کچھ صرف قرآن ہی کی زبانی دنیا عام کر سکتی ہے۔
اس بارے میں بھی قرآن اپنے سے باہر کا ابداً محتاج نہیں۔۔۔

اور چونکہ نوع انسانی کی سعادت و تنویر کا مرکز وحید او وجود انبیاء کرام ہے
اور حقیقت محمدیہ بحکم وجئنا بک علی ھؤلاء شہیدا ان سب سے مافوق اور شمس
و کواکب اور صباح و مصباح کے سلسلہ کا حکم رکھتی ہے اسی لئے حیات قائمہ و دائمہ کا نور
الانوار اور مصباح المصابیح صرف وہی دائرہ ٹھہرا اور اسی لئے الشیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے اسکو حقیقت
الاسبابیہ اور لوح محفوظ سے بھی تعبیر کیا سبحان اللہ! یہ آخری تسمیہ و تعبیر کس درجہ

ترجمان حقیقت و راوفق بالشرع والعقل ہے۔ دنیا میں جس قدر بھی ہدایت و تعلیم کی لوحیں تھیں سب کے لئے تغیر و تبدل ہوا حتیٰ کہ آج کوئی محفوظ نہیں لیکن اللہ اکبر مقام محمدی کی محفوظیت و مصئونیت کہ اس کی سیرت طیبہ و حیات طیبہ و قائمہ کی لوح محفوظ کا ایک نقطہ بھی محو نہ ہو سکا۔ اور قرآن محفوظ و کتاب مسطور فی رق منشور اور فی صدور الذین اوتوا العلم میں اس کا ایک ایک حرف ایک ایک نقطہ اس طرح نقش و ثبت ہے اور ہمیشہ رہے گا جس طرح لوح قلم ازل نے اول صبح تعین کی کرنوں سے لکھ دیا تھا۔ پس قرآن کے بعد اگر کوئی اور ہستی لوح محفوظ ہو سکتی ہے تو وہ صرف وہی روح اعظم عظیم ہے جس کے ذکر کو خود قرآن نے اپنے آغوش حفظ و صیانت میں ہمیشہ کے لئے لیا ہے۔"

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے اردگرد متعدد کیمرے اور ٹیلی ویژن سسٹم لگے ہوئے ہیں جو آپ کی ایک ایک ادا کو محفوظ کرتے جا رہے تھے۔ صحابہ اور محدثین کے طبقے نے حضور کی سیرت طیبہ کو اس طرح محفوظ کر دیا کہ جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ منافقین نے فرضی احادیث اختراع کر کے آپ کے ارشادات سے غلط ملط کرنے کی کوشش کیں تو ان مردان خدا نے احادیث کی چھان بین میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ حدیث کے راوی معتبر ہیں یا غیر حدیث کے رواۃ مسلسل ہیں یا اس زنجیر کی کوئی کڑی منقطع ہو گئی۔ ان راویوں کا طرز زندگی کیسا رہا ان کے تقویٰ اور خشیت الٰہی کا کیا حال ہے الحاصل ان سے کوئی حدیث لینے سے قبل خود ان کا جائزہ لیا جاتا تھا جس کے نتیجہ میں فن اسماء رجال کی مستقل بنیاد پڑ گئی انہی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ آج ہم بلا کسی دقت گھر میں بیٹھے ہوئے جب احادیث مطالعہ کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہیں اور اپنی چشم تصور سے آپ کو دیکھ رہے ہیں۔ بقول

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی وہ پھر بھی جلوہ دکھا رہے ہیں

رحل رہے ہیں وہ پھر رہے ہیں نہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں